چودھری رحمت علی

ایک عظیم مفکر

محمد شریف بقا

چودھری رحمت علیؒ کے مختصر حالات زندگی

خانگی اور تعلیمی حالات

چودھری رحمت علیؒ مرحوم و مغفور ہندوستان کے ایک مشہور صوبہ مشرقی پنجاب کے ضلع ہوشیار میں پیدا ہوئے تھے۔ وہ 16 نومبر 1987ء کو ضلع ہوشیار پور کی تحصیل گڑھ شنکر کے ایک گاؤں موہراں (Moharan) میں متولد ہوئے۔ جہاں تک ان کے خاندانی پس منظر کا تعلق ہے وہ گوجر خاندان کے چشم و چراغ تھے ان کے والد چودھری حاجی شاہ محمد متوسط زمینداروں کے گروہ سے تعلق رکھتے تھے۔ ان کے پاس جو زمین تھی وہ خاندان کی معاشی ضروریات کے کافی تھی اس زمینداری کے باوجود وہ زیادہ مالدار نہ تھے۔ چودھری رحمت علیؒ کی والدہ ماجدہ کا ان کے بچپن میں ہی انتقال ہو گیا تھا اس لیے ان کی سوتیلی ماں نے ان کی پرورش و نگہداشت کا فریضہ انجام دیا۔ چودھری رحمت علیؒ کا بھائی حاجی محمد علی تو خاندانی پیشے اور زمینداری سے منسلک رہا مگر دوسرا بھائی یعنی چودھری رحمت علیؒ پیشہ زراعت کی بجائے علم و ادب اور قومی ثقافت و سیاست کے میدان میں کارہائے نمایاں انجام دیتا رہا۔ قدرت نے چودھری رحمت علیؒ میں

مخصوص قابلیت دیکھ کر اسے قومی درد، عشق رسول کا جذبہ، خدمت اسلام کا ولولہ اور بے پناہ سعی و عمل کی لگن کی دولت سے نواز کر اسے دیگر افراد سے ممتاز بنا دیا۔ایک شاعر نے اس قانون قدرت کی ہمہ گیری کو مدنظر رکھ کر کیا خوب کہا ہے:

قسمت کیا ہر ایک کو قسام ازل
جو شخص کے جس چیز کے قابل نظر آیا

چودھری رحمت علیؒ کا گھریلو ماحول مذہبی اقدار کا عکاس تھا۔ان کے والد مکرم چودھری حاجی شاہ محمد بہت بڑے دیندار اور خدا ترس انسان تھے۔ان کی دینداری، صالح کردار نیک عادات، اور اسلام دوستی کی بنا پر گاؤں کے سب لوگ ان کا بے حد احترام کیا کرتے تھے۔چودھری حاجی شاہ محمد اپنے بیٹوں کی عادات وخصائل میں بھی انسانی خوبیوں اور اسلامی صفات کا رنگ دیکھنے کے آرزومند تھے چنانچہ انہوں نے اپنے اس ہونہار اور ذہین بیٹے کی طبیعت کا رجحان مذہب کی طرف دیکھ کر اسے مسجد میں دین کی تعلیم حاصل کرنے کے لیے بھیج دیا۔عہد طفولیت میں بچے کے دل ودماغ پر جیسے نقوش مرتسم کر دیئے جاتے ہیں وہ عموماً دیرپا ثابت ہوتے ہیں۔

چودھری رحمت علیؒ کے والد مرحوم نے اپنی مذہبی عقیدت کا عملی ثبوت دیتے ہوئے اپنے عالی دماغ بچے کو حصول علم پر اکسایا اور اس طرح لفظ پاکستان کا یہ خالق اور اسلام کا یہ بے باک اور حق گو مجاہد ملت اسلامیہ کی قابل فخر خدمات سرانجام دے سکا۔والد کی شرافت، سادگی اور اسلامی حمیت کا جذبہ چودھری رحمت علیؒ کی شخصیت کا جزو لانفیک بن گیا تھا۔تمام عمر بچپن کی ان عمدہ عادات کا پیکر جمیل بنے رہے۔اسے کہتے ہیں "جیسا باپ ویسا بیٹا۔" (Like father, like son) مسجد میں بیٹھ کر حاصل ہوئی تعلیم نے اسے اسلامی نظریہ حیات کا ایسا

گرویدہ بنادیا تھا کہ وہ تمام زندگی اس نظریہ حیات کو غالب و نافذ کرنے کے لیے ایک الگ خطہ زمین کا مطالبہ کرتا رہا تا کہ اسلامیان ہند اسلام کے مطابق آزادانہ ماحول میں زندگی بسر کر سکیں۔

چودھری رحمت علیؒ نے ابتدائی تعلیم اپنے گاؤں میں پائی۔ بعدازاں انہوں نے موضع راہوں کے ایک سکول ایم بی مڈل سکول میں داخلہ لیا اس سکول سے انہوں نے مڈل کا امتحان پا س کیا۔ یہ امتحان پاس کرنے کے بعد وہ جالندھر شہر چلے گئے اور وہاں اینگلو سنسکرت ہائی سکول سے میٹرک پاس کیا۔ مزید تعلیم کے حصول کا ذوق وشوق انہیں پنجاب کے ایک مشہور شہر لاہور کی طرف کشاں کشاں لے گیا۔ لاہور کی تعلیمی اور ثقافتی اہمیت کے پیش نظر چودھری رحمت علیؒ بھی گریجویشن کے لیے اپنے آبائی شہر کو چھوڑ کر یہاں آگئے اور انہوں نے پنجاب میں مسلمانوں کی سب سے بڑی دانش گاہ، اسلامیہ کالج لاہور میں داخلہ لے لیا۔ اسلامیہ کالج لاہور برصغیر پاک و ہند کے ایک معروف مسلمان ادارے انجمن حمایت اسلام لاہور کی زیر اہتمام چل رہا ہے۔ انجمن حمایت اسلام لاہور کی زیر نگرانی کئی مدارس اور خیراتی ادارے بھی نمایاں خدمات سر انجام دے رہے تھے۔ اسلامیہ کالج میں عموماً غریب اور متوسط گھرانوں کے طلباء داخلہ لیا کر تے تھے اس میں وہ مسلمان طالب علم بھی زیر تعلیم آتے تھے جن کو اسلام اور مسلمانوں سے شدید ہمدردی ہوتی تھی۔ چودھری رحمت علیؒ نے مسلمانان پنجاب کے اس معروف تعلیمی ادارے میں داخلہ لے کر 1918ء میں بی اے کا امتحان پاس کر لیا۔

چودھری رحمت علیؒ شروع سے بے حد ذہین وفطین طالب علم تھے۔ اگرچہ ان کے مالی حالات اتنے سازگار نہ تھے تاہم انہوں نے کسی نہ کسی طرح مزید علم کے حصول کی جدوجہد جا

ری رکھی۔ جو طالب علم زیادہ مالدار والدین کی اولاد نہیں ان کو قدم قدم پر گوناگوں سماجی اور معاشی مشکلات کا سامنا کرنا ہوتا ہے۔ چودھری رحمت علیؒ کو بھی ایسے ہی صبر آزما اور دشوار مراحل حیات سے گزرنا پڑا۔ اپنے تعلیمی اخراجات کو پورا کرنے کے لیے انہوں نے ایک مشہور کشمیری صحافی، ادیب اور سیاسی شخصیت محمد دین فوق کے اخبار "کشمیر" میں ملازمت اختیار کر لی۔ جب یہ ملازمت چھوٹ گئی تو انہوں نے چیفس کالج (موجودہ ایچی سن کالج) لاہور میں ٹیوٹر کی حیثیت سے کام شروع کر دیا۔ وہ 1922ء تک وہاں تدریسی فرائض ادا کرنے کے بعد پنجاب کے ایک ممتاز جاگیردار گھرانے، مزاری خاندان کے بچوں کے اتالیق (ٹیوٹر) مقرر ہوئے ولاوہ ازیں ان کی قابلیت، دیانت داری خلوص شرافت اور نیکی کے پیش نظر ان کو مزاری اسٹیٹ کا مشیر اور سیکرٹری بنایا گیا۔ جب مزاری جائیداد کا جھگڑا پیدا ہو گیا تو چودھری رحمت علیؒ نے اپنی انتھک کوشش اور خداداد صلاحیت سے کام لے کر اسے بحال کروا دیا۔ مزاری خاندان نے ان کی محنت شاقہ کا معاوضہ انہیں معقول رقم کی شکل میں دے دیا۔

چودھری رحمت علیؒ نے کالج کی زندگی ہی میں ادبی سرگرمیوں میں حصہ لیا تھا۔ انہوں نے 1915ء میں وہاں 'بزم شبلی' کی بنیاد رکھی اور کالج کے ادبی مجلّہ "کریسنٹ" کی ادارت بھی کی۔ وہ اسلامیہ کالج لاہور کے بہترین مقررین میں سے تھے۔ اردو اور انگریزی میں وہ بڑے روانی اور جوش کے ساتھ تقریر کیا کرتے تھے۔ غالباً انہی خوبیوں کی وجہ سے انہیں اپنے کالج کی سٹوڈنٹس یونین کا سیکرٹری بنا دیا گیا تھا۔

چودھری رحمت علیؒ جب کالج کی زندگی تک پہنچے تو انہیں اپنے قومی مقاصد و افکار کا شعوری ادراک حاصل ہو گیا تھا۔ وہ عام طالب علموں کی طرح بے مقصد اور حیوانی سطح کی

زندگی بسر کرنے کی بجائے اپنے مسلمان بھائیوں کی فلاح اور وطن کی آزادی کے جذبات سے سرشار ہو کر اپنے قلم اور اپنی زبان سے جہاد کا کام لینے کے قائل تھے۔ اس مقصد کے حصول کی خاطر انہوں نے اسلامیہ کالج میں علم و ادب اور تحریر و تقریر کے میدان میں اپنے قدرتی جوہر اجاگر کرنے شروع کر دیئے تھے۔

چودھری رحمت علیؒ کے قومی کاموں کا آغاز حقیقت میں صحیح طور پر اسلامیہ کالج لاہور سے ہوا تھا۔ اپنی تحریری اور تقریری سرگرمیوں کے سہارے انہوں نے وہاں 1915ء میں ''بزم شبلی'' کی بنا ڈال دی تھی۔ اس قومی محفل کا بانی بن کر اس کے پلیٹ فارم سے انہوں نے پہلی بار تقسیم ہند کی تجویز پیش کی تھی۔ انہوں نے اس کے اسٹیج سے یہ قومی نوعیت کا اعلان کیا کہ ہندوستان کی شمالی حصہ ہمیشہ مسلمانوں پر مشتمل رہا ہے۔ اس لیے اسے مسلم علاقے کی حیثیت سے ہمیں برقرار رکھنا چاہیے یہ قیام پاکستان کے حق میں بلند ہونے والی یہاں سے پہلی آواز تھی۔ اس اعلان سے یہ ثابت ہو جاتا ہے کہ چودھری رحمت علیؒ اپنے قومی مقصد حیات کا پوری طرح شعوری ادراک کر چکے تھے۔ چودھری رحمت علیؒ نے محمد دین فوق کے رسالے میں کام کرتے ہوئے کئی انقلابی مضامین لکھے جنہیں برطانوی حکومت برداشت نہ کر سکی۔ اس حق گوئی اور بے باکی کی پاداش میں چودھری رحمت علیؒ کو ملازمت سے علیحدہ کر دیا گیا۔

چودھری رحمت علیؒ کے سوانح حیات کے گہرے مطالعے سے ہم پر یہ حقیقت بخوبی منکشف ہو جاتی ہے کہ وہ کالج کی زندگی سے لے کر آخری دم تک تحریر و تقریر کے ذریعے اپنے مقاصد و نظریات کی تبلیغ و اشاعت کرتے رہے تا کہ وہ دوسرے انسانوں کے اندر بھی حریت کی

تڑپ اعلیٰ مقاصد کی لگن اور اسلام کی محبت کی جذبات و احساسات کو گرم رکھ سکیں۔ انہوں نے اسلامیہ کالج لاہور میں ''بزم شبلی'' کی تاسیس رکھ کر ادب کے گلشن کی آبیاری کرنے کے علاوہ سیاسی شعور کو اجاگر کرنے کی بھی کوشش کی۔ کالج کے میگزین ''کریسنٹ'' لہ ادارت سنبھالنے کے ساتھ ساتھ وہ تقریر کے سہارے بھی اپنے مخصوص افکار کا اظہار کرتے رہے۔ جب وہ کالج کی ہنگامہ خیز زندگی کو چھوڑ کر وسیع تر میدان عمل میں آئے تو انہوں نے ''کشمیر'' میں کام کر کے اپنے انقلاب پرور مضامین کے ذریعے قلمی جہاد کا مقدس فریضہ جاری رکھا۔

چودھری مرحوم و مغفور علم، ادب اور صحافت کو تعمیر کردار اعر تشکیل ذات کے لیے استعمال کرتے تھے ان کی نگاہ میں ادبی اور صحافتی سرگرمیوں کو اسلام کے ہمہ گیر اور تعمیری ں طرو یہ حیات سے الگ نہیں کیا جا سکتا کیونکہ زندگی کا مکمل ضابطہ حیات ہونے کی حیثیت سے یہ ہماری تمام سرگرمیوں کا محور بننا چاہیے۔ قرآن حکیم کا ارشاد ہے۔

اذخلوفی المسلم کافتہ (تم مکمل طور پر اسلام میں داخل ہو جاؤ) اسلام میں کلیتہ داخل ہونے کے لیے کیا ہمارے تمام افکار و اعمال کع اسلامی تعلیمات کے ماتحت نہیں ہونا چاہیے؟ اگر ہم ایسا نہیں کرتے تو پھر اسلام دوستی کا وعدہ محل نظر ٹھہرتا ہے۔ جب علم، ادب اور صحافت وغیرہ سے تعمیر کردار اور استحکام خودی کا کام نہ لیا جائے تو پھر قومی عروج کی توقع خیال خام ہوتی ہے۔

بقول اقبالؒ:

ہوئی ہے زیر لب فلک امتوں کی رسوائی
خودی سے جب ادب ودیں ہوئے ہیں بیگانہ

چودھری رحمت علیؒ کے ممتاز اساتذہ کرام کا تعلق زیادہ تر پنجاب کے معروف ادارے انجمن حما

یت اسلام لاہور کے اسلامیہ کالج ریلوے روڈ لاہور سے تھا۔ قیام پاکستان سے قبل ہندوستان میں علی گڑھ کالج اور اسلامیہ کالج لاہور مسلمانوں کی تعلیمی سرگرمیوں کے عظیم ترین مراکز تھے۔ اسلامیہ کالج لاہور میں موجودہ علوم کے علاوہ اسلامیات اور تاریخ و ثقافت اسلامیہ بھی نصاب تعلیم میں شامل تھیں تاکہ مسلمان طلباء دنیا اور دین کے تقاضوں کے پورا کر سکیں۔ انجمن حمایت اسلام لاہور کے سالانہ اجلاسوں میں متحدہ ہندوستان کے نامی گرامی مسلمان شریک ہوکر انجمن کی مالی اور اخلاقی معاونت کا ذریعہ بنتے تھے۔

ملت اسلامیہ کے ممتاز افراد مسلمان عوام اور طلباء کی ثقافتی، علمی اور سیاسی فلاح کی خاطر یہاں آتے اور سامعین کو اپنے افکار عالیہ سے روشناس کراتے تھے۔ عالمی شہرت کے حامی شاعر اور مفکر اسلام علامہ اقبالؒ ان جلسوں میں نہ صرف اپنی مترنم آواز میں اپنا جوش پرور کلام سنایا کرتے تھے بلکہ وہ انجمن حمایت اسلام کے کاموں میں عملی حصہ بھی لیا کرتے تھے۔ اس پس منظر کو بیان کرنا اشد ضروری ہے تاکہ قارئین کرام کو چودھری رحمت علیؒ کی سب سے بڑی اور قابل فخر مادر علمی کی عظمت و اہمیت کا احساس ہو سکے۔ چودھری رحمت علیؒ طبعاً انقلابی تصور اسلام کے مالک تھے۔ اسلامیہ کالج لاہور کے علمی اور اسلامی ماحول نے ان کے نظریات کو مزید مستحکم بنا دیا۔ ان کی اتی طبیعت کے زمانہ ساز رجحان اور اسلامیہ کالج لاہور کے اساتذہ کی صحبت کے دو آتشتہ کا کام دیا۔ اکثر طلباء اپنی درسگاہ پر ناز کیا کرتے ہیں مگر بعض منفرد شخصیت رکھنے والے طلباء اپنی درس گاہ کی شہرت و عظمت کو چار چاند لگا دیتے ہیں۔ چودھری رحمت علیؒ ایسے ہی قابل افتخار طلباء میں سے تھے۔

جس دور میں چودھری رحمت علیؒ اسلامیہ کالج لاہور میں تعلیم حاصل کر رہے تھے اس وقت وہاں کے کئی اساتذہ نے ان کی شخصیت میں نکھار پیدا کیا خصوصاً پروفیسر ایم اے غنی، پرو

فیسر خواجہ دل محمدؒ پروفیسر سید عبدالقادر اور پروفیسر علی اصغر روحی سے وہ بہت زیادہ متاثر ہوئے پرو فیسر ایم اے غنی انگریزی ادبیات میں خاص مہارت کے لیے مشہور تھے۔ پروفیسر خواجہ دل محمد مشہور ماہر ریاضیات ہونے کے علاوہ بہت اچھے شاعر بھی تھے۔ ان کی کئی قومی نظمیں اور قطعات عمدہ شاعری کے عکاس ہیں۔ پروفیسر سید عبدالقادر تاریخ کے علم میں بے نظیر تھے۔ پروفیسر اصغر علی روحی ادبیات سے بہت گہرا لگاؤ رکھتے تھے۔ علم عروض میں ان کی کتاب آج بھی بلند پایہ تصور کی جاتی ہے۔ ایسے جید اور ممتاز اساتذہ کی صحبت سے استفادہ کرنے کے لیے بھی باذوق اور ذہین طلباء کا وجود لازمی ہے۔

ایسے ہی اساتذہ کے فیض محبت سے چودھری رحمت علیؒ کو اردو اور انگریزی ادبیات' تاریخ' اسلامی روایات' لسانیت اور قومی سیاست سے گہری دلچسپی پیدا ہوگئی تھی اکبر آلہ آبادی نے بجا کہا تھا:

علم ہوتا ہے بزرگوں کی نظر سے پیدا

سفر انگلستان

کیمبرج انگلستان کی مشہور درس گاہ ہے چودھری رحمت علیؒ نے 1930ء میں وہاں آ کر کیمبرج یو نیورسٹی کے قریب رہائش اختیار کر لی۔ وہاں ان کا پتہ 16 مانٹیگو روڈ (Montague Road) کیمبرج تھا۔ انہوں نے کیمبرج اور ڈبلن یونیورسٹیوں سے ایم اے اور ایل ایل بی کی ڈگریاں حاصل کیں اس کے علاوہ انہوں نے لندن کی ایک قانونی درس گاہ مڈل ٹمپل ان (Middle Temple Inn) سے بارایٹ لاء کی سند بھی لے لی۔

چودھری رحمت علیؒ سے قبل پاکستان کے دو اور محسن علامہ اقبالؒ اور محمد علی جناح بھی اعلیٰ تعلیم کے لیے انگلستان آئے تھے۔ ان دونوں نے یہاں وکالت کی تعلیم حاصل کر کے اپنے وطن اور ملت اسلامیہ کی خدمت کا فرض ادا کیا تھا۔ چودھری رحمت علیؒ نے بھی ان کے نقش قدم پر چلتے ہوئے تعلیمی مقصد کے لیے سفر انگلستان اختیار کیا۔

چودھری رحمت علیؒ نے 1930ء میں انگلستان آ کر اپنی اعلیٰ تعلیم کو حاصل کرنے کی طرف توجہ دی۔ اس یکسوئی کا نتیجہ یہ نکلا کہ انہوں نے کیمبرج میں اور ڈبلن یونیورسٹیوں سے ایم اے اور ایل ایل بی کے امتحان پاس کرنے کے علاوہ لندن سے بیرسٹری کی سند بھی لے لی۔ ان کی تعلیمی سرگرمیوں کے دوران ہی یہاں برصغیر پاک وہند کی آزادی کے لیے گول میز کانفرنسوں

کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ برطانیہ نے لندن میں متحدہ ہندوستان کے ممتاز اور بااثر ہندو اور مسلمان قائدین کو بلا کر پہلی مرتبہ ان کو گول میز کانفرنس کروائی تاکہ انہیں اپنے سیاسی مسائل خصوصاً تقسیم ہند کے نزاع کو سلجھانے کا موقع دیا جائے۔ اس ضمن میں آخری اور تیسری گول میز کانفرنس (1932 Round Table Conference) ء میں منعقد ہوئی اس آخری میٹنگ میں مسلمانان ہند کے لیے ایک الگ ریاست کا مسئلہ کسی قدر طے ہوا۔ انگریز اور ہندو سیاست دان ہندوستان کے مسلمانوں کو ہندوستان کا حصہ بن کر رہنے پر مجبور کر رہے تھے۔ زیادہ تر مسلمان قائدین اس برٹش پلان کے لیے رضا مند ہو رہے تھے صرف چودھری رحمت علیؒ انگریزوں اور ہندوؤں کی اس سیاسی چال سے بخوبی آگاہ ہو کر اس کی شدید مخالفت کر رہے تھے۔ وہ ہندوستان کا حصہ بننے کی بجائے ایک جداگانہ اور اسلامی مملکت کے حامی تھے۔ وہ انڈیشن وفاق کی بجائے مختلف اسلامی ریاستوں کے وفاق پر زور دیتے رہے۔ اپنے اس نقطہ نگاہ کو واضح کرنے کے لیے انہوں نے مسلمان لیڈروں سے ملاقاتیں کیں اور انہیں برطانیہ میں مقیم مسلمانوں کے مسائل اور خیالات سے مطلع کیا۔ علامہ اقبالؒ ' محمد علی جناحؒ اور مولانا محمد علی جوہرؒ رئیس الاحرار سے انہوں نے خصوصی ملاقات کی اور ان پر اپنا موقف واضح کیا۔ اس امر کو بیان کرنا اشد ضروری ہے کہ چودھری رحمت علیؒ یہ سوچ ان کے پختہ سیاسی شعور کی غماز تھی۔

اپنے زمانہ طالب علمی میں چودھری رحمت علیؒ نے اسلامیہ کالج لاہور میں ''بزم شبلی'' کی بنیاد رکھی تھی۔ انہوں نے 1915 ء میں اس کی تاسیس رکھ کر اس کے پلیٹ فارم سے شمالی ہند کے علاقوں کو مسلم علاقوں کی حیثیت سے برقرار رکھنے اور تقسیم ہند کو بروئے کار لانے کی تجویز پیش کی تھی۔ بعد ازاں 1930 ء میں شاعر مشرق اور مفکر اسلام علامہ اقبالؒ نے اپنے صدارتی خطبہ الہ آباد میں اسے بڑی تفصیل سے بیان کیا۔ جب انہوں نے اسلامیان ہند کے لیے ایک

الگ خطہ زمین کا مطالبہ پیش کر دیا تو چودھری رحمت علیؒ کے ہراتے نظریہ تقسیم ہند کی توثیق ہو گئی۔اب چودھری رحمت علیؒ بے دھڑک ہو کر مکمل طور پر آزاد مسلم سلطنت کے قیام کی تبلیغ کے لیے سرگرم عمل ہو گئے۔علامہ اقبالؒ کے دوقومی نظریے نے ان کے پندرہ سال قبل والے تصور آزادی کو مزید تقویت بخش دی تھی۔انہوں نے اپنے چند ہم خیال مسلمان ساتھیوں کے تعاون و اشتراک سے یہاں آزادی کے لیے جدوجہد کا بڑی پامردی اور سنجیدگی سے کام کا آغاز کر کے قیام پاکستان کے لیے میدان ہموار ہو گیا۔چودھری رحمت علیؒ کی زندگی کا یہ مرحلہ قومی اور اسلامی لحاظ سے بہت زیادہ اہمیت کا حامل تھا۔ایسا معلوم ہوتا تھا کہ یہ جذبہ ان کی زندگی کا نصب العین بن گیا تھا۔وہ اپنے ایک مشہور پمفلٹ

(Now or Never) میں لکھتے ہیں:

"Neglecting my studies an renouncing every idea of a career or home, I made it the be-all and end-all of my life, and devoted to it every spark of thee fire and fervour of my faith, and every particle of what knowledge and enlighten-ment, I possessed. I observed chillas and prayed for Allah's guidance ....'

(Pakistan; the Fatherlan of the Pak Nation, P/22

ان کے اس بیان سے یہ بات نکھر کر سامنے آجاتی ہے کہ انہوں نے اسلامی اور قومی مفا دکو اپنی زندگی کا سب سے بڑا مقصد یہاں بنالیا تھا۔ وہ اپنی خداداد علمی اور ذہنی توانائیوں کو ایمان کی حرارت سے ضوفشاں کر کے ہر جگہ اسلام کی روشنی پھیلانے کو اپنا مقصد حیات قرار دے چکے تھے۔ نظریہ پاکستان کے لیے انہوں نے چلہ کشی' بھی کی اور خدا سے ہدایت کی بھی دعا کرتے رہے۔ اس اقتباس سے ایک اور امر بھی واضح ہو جاتا ہے کہ برطانیہ میں رہ کر وہ مغرب کی ظاہری چمک دمک اور غلط اصولوں پر قربان ہونے کی بجائے اسلامی تعلیمات اور اسلامی طرز حیات کے پابند رہے۔ جلوہ دانش فرنگ' انہیں خیرہ کیا کرتا کیونکہ وہ تو خود اس وادی' ایمن' کو شایان تجلی نہ سمجھتے ہوئے اپنے نور ایمان کی قندیل کو فروزاں رکھتے رہے۔ علامہ اقبالؒ بھی اپنے قیام یورپ کا تذکرہ کرتے ہوئے کہتے ہیں:

خیرہ نہ کرسکا مجھے جلوہ دانش فرنگ

سرمہ ہے میری آنکھ کا خاک مدینہ و نجف

علامہ اقبالؒ نے شاعری میں جس جلوہ ایمان کی طرف اشارہ کیا ہے اسے چودھری رحمت علیؒ نے نثر کی زبان میں ادا کر دیا ہے ان دونوں کا قیام یورپ باعث رشک بھی ہے اور لائق تحسین بھی۔

انگلستان میں قیام

چودھری رحمت علیؒ 1930ء سے لے کر اپنی وفات (1951ء) تک انگلستان میں قیام پذیر رہے۔ وہ کچھ عرصہ کے لیے اپنے وطن بھی چلے گئے تھے مگر زیادہ تر وقت انہوں نے یہاں ہی گزارا تھا۔ ان کا یہاں قیام زیادہ تر علمی' سیاسی اور مذہبی سرگرمیوں پر مشتمل تھا۔ حصول تعلیم سے فارغ ہونے کے بعد وہ ملت اسلامیہ کی فلاح و بہبود کے کاموں میں پورے جوش ایمان کے ساتھ منہمک ہو گئے تھے۔ نظریہ پاکستان کی نشرواشاعت' تحریر و تقریر' برطانوی پریس میں مضامین کی اشاعت' برطانوی سیاست دانوں سے نظریہ پاکستان پر تبادلہ خیالات اور رائے عامہ کی ہمواری نے انہیں پوری طرح یہاں مصروف رکھا۔ اس لحاظ سے دیکھا جائے تو ان کی برطانیہ میں زندگی سعی پیہم' عمل مسلسل' ایثار و خلوص' جذبہ حریت طلبی' جفاکشی اور مقصد پرستی کی جیتی جاگتی تصویر دکھائی دیتی ہے۔ وہ کاہل' بے مقصد اور غیر صالح زندگی کی بجائے انقلابی نظریات اسلام کو طرۂ امتیاز خیال کرتے تھے۔ غالباً وہ حافظ شیرازی کے اس انقلاب پرور شعر پر عمل پیرا تھے:

عاقبت منزل ما وادی خاموشان است

حالیا غلغلہ در گنبد افلاک انداز

جو بلند ہمت اور نیک کردار انسان ہر وقت اپنے اعلیٰ مقاصد زندگی کے لیے تگ و دو کر تے ہیں وہی آخر کار لافانی شہرت اور بقائے دوام کے مستحق ہوتے ہیں۔ بقول اقبالؒ:

وہی زمانے کی گردش پہ غالب آتا ہے

جو ہر نفس سے کرے عمر جاوداں پیدا

جہاں تک چودھری رحمت علیؒ کی انگلستان میں سیاسی سرگرمیوں کا تعلق ہے ان کی ابتداء بھی دراصل ان کی مایہ ناز مادر علمی یعنی اسلامیہ کالج لاہور میں ہوئی تھی۔ انہوں بزم شبلی، کی اسٹیج سے پہلی مرتبہ تقسیم ہند کے لیے آواز اٹھائی تھی۔ اس کالج میں اسلام پرستوں کی اکثریت تو تھی مگر چند طلباء اسلامی نظریہ قومیت کی بجائے مغربی اور کانگریسی تصور وطیت کے حامی تھے۔ انہوں نے چودھری رحمت علیؒ کے نظریہ تقسیم ہند سے شدید اختلاف کیا چنانچہ چودھری رحمت علیؒ مرحوم نے خود ان سے علیحدہ ہونا پسند کرتے ہو کہا:

"Friends if my views are unacceptable to yo we had better part.......your go your way and I will my way. You work for your Indian revolution but I will work for my Islamic revolution. At the e we shall see who creates the most dynamic a creative revolution in India."

(Pakistan - the Father land of the Pak Nation.P/21

”دوستو! اگر میرے نظریات آپ کے لیے قابل قبول نہیں تو بہتر ہے کہ ہم جدا ہو جائیں...... تم اپنا راستہ اختیار کرو اور میں اپنا راستہ اختیار کرتا ہوں۔ تم اپنے انڈین انقلاب کے لیے کام کرو اور میں اپنے اسلامی انقلاب کے لیے عمل کروں گا۔ انجام کار ہم دیکھیں گے کہ انڈیا میں سب سے زیادہ حرکی اور تخلیقی انقلاب کون پیدا کرتا ہے۔“

(پاکستان............پاک قوم کا آبائی وطن............ص 214)

تاریخ اس بات کی شاہد ہے کہ چودھری رحمت علیؒ کا یہ نظریہ انقلاب اسلامی آخرکار پاکستان کے قیام پر منتج ہوا۔ انہیں اپنے تصور حرکی کی کامیابی پر پورا ایمان تھا۔ یقین محکم‘ عمل پیہم اور محبت زندگی کے میدان کارزار میں مجاہدوں کی تلواریں ثابت ہوتی ہیں۔ بقول اقبالؒ:

یقین محکم‘ عمل پیہم‘ محبت فاتح عالم

جہادِ زندگانی میں ہیں یہ مردوں کی شمشیریں

چودھری رحمت علیؒ کی شخصیت میں قدرت نے بہت سی خوبیاں پیدا کر دی تھیں۔ وہ اپنے دور کے ممتاز سیاسی مفکر‘ مذہبی ریفارمر‘ شعلہ بیان مقرر‘ حقیقت پسند مصنف‘ بے باک صحافی‘ نیک سیرت انسان اسلامی نظریہ حیات کے زبردست مبلغ اور مخلص دوست تھے۔ ایک تو ان کی ذاتی انقلابی کیفیت اور دوسرے ان کے گھریلو مذہبی اثر کو ان کی اسلام پرستی میں بہت زیادہ دخل تھا۔ اسلامیہ کالج لاہور میں آ کر ان کے ذاتی جوہر اور زیادہ نمایاں ہو گئے تھے۔ اسلامیہ کالج لاہور کی شاندار قومی روایات‘ اسلام پسند اساتذہ اور وہاں کے اسلامی ماحول نے ان کے دل و دماغ پر جو گہرے نقوش چھوڑے وہ قیام پاکستان کے لیے بے حد اہمیت کے حامل ہیں۔

چودھری رحمت علیؒ کا نظریہ پاکستان

چودھری رحمت علیؒ کے حلات زندگی' ان کی تصانیف' بیانات' انٹرویوز اور گونا گوں سر گرمیوں کے عمیق مطالعہ کے بعد ہم اس لازمی نتیجہ پر پہنچ جاتے ہیں کہ ان کی زندگی کے چند بنیادی اور اعلیٰ مقاصد تھے ان کی تمام سرگرمیوں کا مرکزی نقطہ اسلامی نظریہ حیات اور قیام پاکستان تھا۔ ان کا نظریہ پاکستان دراصل ان کے تصور اسلام ہی کا شجر بار آور تھا۔ جب سے انہیں اپنے مقصد حیات کا شعوری ادراک ہوا تھا وہ مسلمانان ہند کے لیے مکمل آزادی اور عالم اسلام کے اتحاد کے علمبردار بن گئے تھے۔ جیسا کہ اس سے پیشتر بیان کیا جا چکا ہے کہ انہوں نے تقسیم ہند کا مطالبہ کا مطالبہ اپنہ قائم کردہ سوسائٹی ''بزم شبلی'' کے پلیٹ سے بلند کیا تھا بعد ازاں وہ اسلامی ثقافت اور اسلامی تشخص کے تحفظ کے لیے اور اسلامیان ہند کی خاطر ایک الگ آزاد خطہ زمین کے نعرہ کو ہر جگہ بلند کرتے رہے۔ یہی نظریہ پاکستان ان کی قومی عظمت' ملی خدمت اور بین

الاقوامی شہرت کا ذریعہ بن گیا ہے۔

ان کے تصور پاکستان کے چند اہم پہلو درج ذیل ہیں:

1۔دوقومی نظریہ مغربی قومیت کی رو سے ایک خاص خطہ زمین میں رہنے والے تمام انسان بلا امتیاز ثقافت و مذہب ایک قوم ہیں۔مغربی نظام سیاست چونکہ دین وسیاست کی جدائی کا حامی ہے اس لیے یہ لادین نظریہ قوم وہاں مروج ہے۔ہندو لیڈر اور ان کے حاشیہ نشین مسلمان بھی ہندوستان میں بسنے والے تمام لوگوں کو ایک ہی قوم تسلیم کرتے تھے علامہ اقبال ؒ کی طرح چودھری رحمت علی بھی اس مغربی اور کانگریسی نظریہ قومیت کے شدید مخالف تھے۔وہ ہندوستان میں ایک قوم یعنی ہندوؤں کے علاوہ دیگر قوموں کے وجود میں پختہ ایمان رکھتے تھے۔اس لیے وہ اسلا میان ہند کی مذہبی اور ثقافتی قدروں کی حفاظت کے لیے مکمل طور پر آزادی کے حق میں تھے۔چودھری رحمت علیؒ اپنی تنظیم ''پاکستان نیشنل موومنٹ'(Pakistan National Movement) کی پاکیزہ آئیڈیا لوجی' اور مشترک ہندوستانی قومیت کا ذکر کرتے ہوئے کہتے ہیں:

"The effect of Pak idealogy on the myth of Indian un has been devastating. It has Destroyed the cult of t uni- nationalism and uni- territorialism of India a created instead the creed of the multi-nationalism a multi-territorialism of Dinia."(Pakistan - The Fatherla of the Pak nation,P/2-5)

2۔قومی بقا اس میں کوئی شک نہیں کہ دنیا میں عروج زوال کا قانون رائج ہے افراد کی

مانند قومیں بھی زندگی اور موت کے مراحل سے گزرا کرتی ہیں۔ جو قومیں قوانین فطرت اور ہدا
یت خداوندی کے ابدی ضابطوں کی پیروی کرتی ہیں وہ صفحہ دہر سے نیست و نابود نہیں ہو
تیں۔ اس کے برعکس عمل نہ کرنے والی قومیں ابد تک باردوش روزگار نہیں رہ سکتیں۔ چودھری
رحمت علیؒ ملک کو تو عارضی مان سکتے ہیں مگر وہ ابدی حقائق کی حامل قوم کو فنا پذیر تسلیم نہیں
کرتے۔ ان کی رائے میں حکمران اور ملک بدلتے رہتے ہیں لیکن زندہ اقدار حیات میں ایمان
رکھنے والی اقوام کو فنا نہیں ہوتی۔ وہ ملت اسلامیہ کو زندہ و پائندہ قوم سمجھ کر اپنے خیالات کا یوں
اظہار کرتے ہیں:

".....While empires, by their very creation, ar ephemeral: nations, by their very nature, are eterna Unlike empires, they may decline in power a prestige, but theey never disappear.... as long as the actively believes in their future, they can survive a crisis in their fate. And no wonder: for faith spells, li and defeatism demise." (ibid: P.209)

علامہ اقبالؒ بھی اہل ایمانداری کے عارضی زوال کو مانتے ہیں مگر وہ خورشید حیات کی
مکمل روپوشی کی تردید کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

جہاں میں اہل ایماں صورت خورشید جیتے ہیں
ادھر ڈوبے ادھر نکلے' ادھر ڈوبے ادھر نکلے

3۔ اسلامی تشخص اسلام کی عالمگیر اور ابدی تعلیمات کی بدولت اس کے ماننے والے دنیا کے

مختلف ملکوں میں بس رہے ہیں زبان، رنگ، جغرافیائی حالات اور نسلی تفاوت اسلامی وحدت کی راہ میں حائل نہیں ہونے چاہیں۔ ہر دور اور ہر جگہ مسلمان مقامی اثرات کے باوجود اسلامی نظریہ حیات کے حامل بن کر اپنے اسلامی تشخص کو برقرار رکھتے رہے۔ اسلامی مذہب وثقافت کی یہی ہمہ گیری اس کی مقبولیت وبقا کی ضامن ہے۔ ہندوستان میں مسلمان صدیوں سے آباد ہیں اور وہ کسی قدر ہندو تہذیب سے بھی متاثر ہوئے مگر انہوں نے اپنے اسلامی تشخص کے نمایاں پہلوؤں کو زندہ رکھا۔ 1857ء کی جنگ آزادی میں مسلمان زوال آمادہ ہوئے لیکن انہوں نے اسلام کا عطا کردہ پاک نظریہ حیات تو نہیں چھوڑا تھا۔ یہی اسلامی تشخص قیام پاکستان کا باعث بنا۔ چودھری رحمت علیؒ نے اس بارے کے بارے میں یہ پیشگوئی کی تھی:

".....Though our defeat of 1857 suspended ou national sovereignty in Pakistan and suppressed o imperial supremacy in Dinia. It did not extinguish o nationhood. Indeed, it could not. For that remaine eternally embodied in our people, living in ou homelands. (Ibid:p.209)

4۔ تقسیم ہند کا مطالبہ چودھری رحمت علیؒ دو الگ تہذیبوں اور مذہبوں کے اختلاف کے سبب مسلمانوں کو ہندوؤں سے الگ سمجھتے تھے اس لیے وہ اسلامی اقتدار اور ثقافتی تحفظ کے لیے تقسیم ہند کے قائل تھے۔ انہوں نے اپنی تنظیم "بزم شبلی" کے ایک اجلاس منعقدہ 1915ء میں یہ مطالبہ کرتے ہوئے کہا تھا:

"North of India is Muslim and we will keep it Msul

Not only that. We will make it a Muslim State. But can do only if and when we and our North cease to an Indian.... So the sooner we shed Indianism, t bwtter for us all and for Islam."(Ibid:P.24)

علامہ اقبالؒ بھی اسلامی قومیت کے حامی اور مغربی قوم پرستی کے سخت ناقد تھے جیسا کہ وہ بانگ درا' میں فرماتے ہیں:

اپنی ملت پر قیاس اقوام مغرب سے نہ کر
خاص ہے ترکیب میں قوم رسول ہاشمیؐ
ان کی جمعیت کا ہے ملک ونسب پر انحصار
قوت مذہب سے مستحکم ہے جمعیت تری

5۔ قیام پاکستان اور اتحاد اسلامی قیام پاکستان کو چودھری رحمت علیؒ بالآخر عالم اسلام کے اتحاد کا موثر مرکز ومحور بنانے میں خواہاں تھے۔وہ مسلمان ممالک کو متحد کرنے سے پہلے مسلمانان ہند کی مکمل آزادی کا مطالبہ کرر ہے تھے تا کہ یہ کلیۃ آزاد اسلامی ملک دیگر مسلمان ممالک کے سا تھ ایک وفاق میں منسلک ہو سکے۔اس بارے میں ان کی یہ رائے ملاحظہ ہو وہ فرماتے ہیں:

" .....We Muslim are a Millt distinct form the Cas Hindoo Jati,....our destiny lies in integration with oth Muslims, and not with caste Hindoos." (Ibid:P.213)

انڈین وفاق کا مسئلہ

اس میں کوئی شک نہیں کہ شاعر مشرق، نباض ملت اور ترجمان قوم علامہ اقبالؒ نے دسمبر 1930ء میں اپنے خطبہ الہ آباد میں ایک مسلم ریاست کا خیال پیش کیا تھا۔ انہوں نے بڑی تفصیل سے ہندوؤں اور مسلموں کے مختلف اختلافات کو مٹانے کے لیے مسلم اکثریت رکھنے والے علاقوں پر مشتمل ایک مسلم ریاست کی تشکیل پر زور دیا تھا۔ مگر وہ اسے ہندوستان کے اندر رکھنے کے بھی خلاف نہیں تھے۔ چودھری رحمت علیؒ نے 1915ء میں تقسیم ہند اور ہندوستان کے شمالی علاقوں کو مسلم علاقے برقرار رکھنے کی تجویز لاہور میں پیش کی تھی۔ علامہ اقبالؒ سے اختلاف کرتے ہوئے وہ الگ تھلگ مسلم علاقوں کے اسلامی تشخص پر مبنی ریاستوں کے وفاق کے حامی تھے۔ وہ انہیں انڈین وفاق اور ہندی قومیت سے جدا رکھنے کے قائل تھے۔ 1930ء سے لے کر 1932ء تک لندن میں تین گول میز کانفرنس منعقد کروائی گئی تا کہ

ہندوستان کے معروف مسلمان اور ہندو قائدین اور سیاست دان انڈیا کے بارے میں کوئی مشترکہ فارمولا تیار کر سکیں۔ زیادہ تر مسلمان مندوبین کو برٹش ایمپائر کے زیر اثر ہندوستان کے ساتھ وفاق کرنے پر سخت اختلاف نہیں تھا۔ اس کے برعکس چودھری رحمت علیؒ اس دور میں برطانیہ میں مقیم تھے وہ مسلمانوں کو انگریزوں اور ہندوؤں کی اس محکومی سے بچانے کے لیے انتھک کوشش کرتے رہے۔ وہ مسلمان نمائندوں سے بھی ملے اور انہیں خدا اور رسولؐ کا واسطہ دیتے ہوئے اسلام کو ہندو ادغام اور برٹش سازش سے بچانے پر بار بار زور دیا۔ جب نتیجہ مفید بر آمد نہ ہوا تو انہوں نے ایک اہم انقلابی اعلان جو چند صفحات پر مشتمل تھا جاری کر دیا۔ انہوں نے اس کی کاپیاں تمام شرکاء کو دیں۔ علاوہ ازیں وہ بعد میں انگریز سیاست دانوں اور پارلیمنٹ کے ارکان کو بھی مکمل طور پر آزاد مسلمان ملک کے قیام کے حق میں دلائل دیتے رہے۔ اس مقصد کے لیے انہوں نے یہاں کے اخبارات والوں پر بھی نظریہ پاکستان کی اہمیت واضح کی۔ جب وہ اپنی مساعی میں چنداں کامیاب نہ ہوئے تو انہوں نے چند ہم خیال ساتھیوں خصوصاً محمد اسلم خان خٹک، خان عنایت اللہ خان اور صاحبزادہ شیخ محمد صادق کے ساتھ مندرجہ بالا اعلان 1933ء میں جاری کیا اور اس میں پہلی مرتبہ لفظ 'پاکستان' استعمال کیا گیا۔ اس طرح پاکستان کا لفظ سب سے پہلے چودھری رحمت علیؒ نے 1933ء میں برطانیہ میں استعمال کیا۔ وہ ہندوستانی وفاق کے برعکس پاک پلان، پاک آئیڈیالوجی اور پاک نیشن پر زور دیتے رہے۔

پاکستان فارسی زبان کا لفظ ہے جس کا لغوی مطلب ہے پاک لوگوں کا وطن یا پاک خصلت لوگوں کی جائے قیام۔ جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا ہے چودھری رحمت علیؒ نے یہ لفظ ہمارے وطن کے نام کے طور پر سب سے پہلے خود 1933ء میں انگلستان میں استعمال کیا تھا۔ انہوں نے اپنے اس پمفلٹ کا نام "اب یا کبھی نہیں" Now or Never رکھا۔ وہ اس

پمفلٹ اور پاکستان کے بارے میں کہتے ہیں:

"It was in this Declaration that I first used for our Indi homelands the name Pakistan, which I had invent for our combined Indian and Asian homelands, a about which the following brief explanation may given here" (Pakistan- The Fatherland of the Pa Nation. P.224)

اس اقتباس کی روشنی میں چودھری رحمت علیؒ کا تصور پاکستان ہنوز مکمل نہیں ہوا کیونکہ اس میں ہندوستان کے بعض علاقوں کے علاوہ ایشیاء کے دوسرے علاقے بھی شامل ہیں۔دراصل وہ پاکستان کو عالم اسلام کے اتحاد اور قوت وشوکت کا اولین مرکز اور پہلا مرحلہ سمجھتے تھے۔عیسائی اور دوسری غیر مسلم طاقتوں نے اسلامی وحدت کو پارہ پارہ کرنے کے لیے ان کی مرکزیت کو ختم کر کے انہیں مختلف قومی ریاستوں اور جغرافیائی حد بندیوں کا شکار بنادیا تھا تا کہ وہ متحد ہو کر دوبارہ اپنی کھوئی ہوئی عظمت حاصل نہ کر سکیں۔علامہ اقبالؒ اور سید جمال الدین افغانیؒ کے نقش قدم پر چل کر وہ بھی مسلم ممالک کو متحد اور مضبوط بنانے کے زبردست حامی تھے ۔اس مقصد کے پیش نظر وہ ایک الگ تھلگ اسلامی خطہ زمین کے طالب تھے۔

پاکستان کے مفہوم کے فکری اور تاریخی پس منظر پر روشنی ڈالتے ہوئے چودھری رحمت علیؒ نے یہ کہا:

"Pakistan is both a Persian and an Urdu word. It composed of letters taken from the names of all c

homelands. "Indian" and "Asian" That is, Punja
Afghania(North-West Frontier Province), Kashm
Iran. Sindh (including Kachch and Kathiawar
Tukhanista. Afghanistan and Balochistan It means t
land of the Paks. the spiritually pure and clean----
(Ibid: P225).

علامہ اقبالؒ سے عقیدت ومحبت

دنیا میں ہر روز نئے نئے انسان جنم لیتے ہیں مگر جب وہ یہاں سے ہمیشہ کے لیے ہم سے جدا ہو جاتے ہیں تو ہر ایک کی عظمت غیر محدود اور غیر فانی نہیں ہوتی۔ عام انسانوں کی زندگی معمولی نوعیت اور حیوانی سطح کی ہوتی ہے یہی وجہ ہے کہ ان کی موت پر سارا عالم نوحہ خواں نہیں ہوتا۔ اگر تاریخ عالم کا بغور کا بغور مطالعہ کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ عظیم انسان ہی اس کی تشکیل اور کراوانحایت کی ترقی کا عث ہوتے ہیں ایسے عہد آفریں اور حیات جاوداں کے مالک لوگ مدتوں کے بعد معرض وجود میں آیا کرتے ہیں بقول اقبا:

عمر ہا در کعبہ و بت خانہ می نالد حیات

تا ز بزم عشق یک دانائے راز آید بروں

علامہ اقبالؒ کا یہ شعر خود ان کے ذات بارے میں درست ہے۔ خدا تعالیٰ نے انہیں دل ودماغ کی اعلیٰ منفرد صلاحیتوں سے نوازا تھا۔ انہوں نے ان خداداد صفات کو اس کے عطا کردہ دین کی حمایت، فروغ اور تشریح وتعبیر کے لیے استعمال کی اتھا۔ علاوہ ازیں انہیں خاتم النبین اور سردار انبیاء حضرت محمدؐ کی ذات بابرکات اور ان کی تعلیمات سے عشق تھا۔ اسلام کیہ یہ خدمات ان کی غیر فانی شہرت وعظمت کا باعث بنی ہیں علامہ اقبالؒ کی ان صفات کی بناء پر چودھری

رحمت علیؒ کو ان کی ذات اور اسلامی نظریات سے بہت عشق ہو گیا تھا۔ اب یہاں بڑے مختصر انداز میں چودھری رحمت علیؒ کی علامہ اقبالؒ سے عقیدت و محبت کے چند عوامل کو بیان کیا جاتا ہے:

1- اسلامی نظریہ حیات چودھری رحمت علیؒ جس اسلامی نظریہ حیات میں غیر متزلزل یقین رکھتے تھے وہ بڑی بے باکی اور حق گوئی کے ساتھ انہیں بیان کرنے کے حامی تھے۔ اسلامی نظریہ حیات خدا کی وحدانیت، رسول کریمؐ کی ختم نبوت انسانی ہدایت کے لیے آسمانی ضابطہ اور دنیا و دین کی یگانگت کا مظہر ہے۔

چودھری رحمت علیؒ اپنی تحریر و تقریر میں اسلامی تصورات کی بار بار وکالت کرتے نظر آتے ہیں۔ وہ عقل انسانی کے علاوہ الہام و وحی پر مبنی پیغام کو بھی انسانی زندگی کے مختلف اہم شعبہ جات میں دخیل کرنے کے زبردست علمبردار تھے۔ مفکر اسلام علامہ اقبالؒ نے جس دل نشین، موثر، وجد آور اور مفکرانہ انداز میں اسلامی افکار و نظریات کی حمایت کی تھی چودھری رحمت علیؒ اس کے شید اور مدح سرا تھے۔

2- انقلابی رجحان علامہ اقبالؒ کی شاعری اور فلسفیانہ افکار کا حقیقی سرچشمہ بلا مبالغہ قرآنی تعلیمات ہیں۔ وہ اسلام کو ایک حرکی انقلاب پرور، تعمیری اور بین الاقوامی تحریک خیال کر کے اس کے تصورات کو بھی حرکی اور انقلابی طور پر پیش کرنے کے حق میں تھے۔ ان کے اشعار کو پڑھ کر دل و دماغ میں انقلابی جذبات موجزن ہونے لگتے ہیں ایک تو شاعری کی غنائیت اور دوسرے انقلابی رجحان کی طوفان خیزی قارئین کے مردہ دلوں میں زندگی کی حارت پیدا کر دیتی ہیں۔ علامہ اقبالؒ کے یہ شعران کی انقلابی طبیعت کے غمزا ہیں۔ وہ اپنے انقلابی رجحان کی طرف واضح اشارہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

؎ اک ولولہ تازہ دیا میں نے دلوں کو

لاہور سے تا خاک بخارا و سمرقند

؎ پس از من شعر من خوانند و دریابند می گویند

جہانے را دگرگوں کرد یک مرد خود آ گاہے

چودھری رحمت علیؒ خود انقلابی مزاج کے مالک تھے وہ بھی اسامی بین الاقوامی اور انسانیت ساز تعلیمات و نظریات کو انقلابی انداز میں پیش کر کے غالب و نافذ دکھنے کے شدید ممتنی تھے۔ ان دونوں رہنماؤں کے مزاج کا اشتراک چودھری رحمت علیؒ کی عقیدت و محبت میں باعث اضافہ ہوا۔

3- ملی درد شاعر مشرق اور ترجمان ملت علامہ اقبالؒ کی شخصیت اور ان کے کلام کی ایک اور امتیاز خصوصیت ملت اسلامیہ کا درد ہے ان کی ولولہ انگیز اور فکر خیز شاعری کے تار و پود میں ملت اسلامیہ کے زوال پر دکھ اور اس کے تابناک مستقبل کے بے چین آرزوؤں کا سراغ ملتا ہے۔ یہی قومی درد اور اسلامی محبت کا جذبہ انہیں اپنے ہم عصروں سے ممتاز و سربلند کر دیتا ہے۔ چودھری رحمت علیؒ علامہ اقبالؒ کے اس ملی درد کے بہت زیادہ مداح تھے چودھری رحمت علیؒ مرحوم کی اپنی ساری زندگی اس قومی درد و کرب کی ایک حیرت انگیز داستا ہے یہ جذبہ ان کے رگ و پے میں پوری طرح سرایت کیے ہوئے تھا وہ اپنےوطن میں ہوں یا دیار غیر میں انہوں نے ہمیشہ ملی درد کی اس شمع کو فروزاں رکھا تا کہ دوسرے لوگ بھی صراط مستقیم کی جانب رواں دواں ہو جائیں۔ یہ قومی درد انہیں علامہ اقبالؒ کی عظمت کا گرویدہ بنا دیتا ہے ملت اسلامی کے درد کی ایک دو مثالیں کلام اقبالؒ سے یہاں پیش کی جاتی ہیں وہ فرماتے ہیں:

نغمہ کجا و من کجا، ساز سخن بہانہ ایست
سوئے قطار می کشم ناقہ بے زمام را

می کہ مری غزل میں ہے آتش رفتہ کا سراغ
میری تمام سرگذشت کھوئے ہوؤں کی جستجو

4- نظریہ پاکستان: علامہ اقبالؒ کے ساتھ چودھری رحمت علیؒ کی بے پاں محبت وعقیدت کا ایک سبب نظریہ پاکستان بھی ہے۔ چودھری رحمت علیؒ نے 1915ء میں "بزم شبلی" کے اجلاس میں تقسیم ہند کی تجویز پیش کرتیہوئے ہندوستان کے مسلم علاقوں کی مکمل آزادی پر زور دیا تھا۔ بعد ازاں سرحد کے ایک شخص سردار محمد گل خاں صدر انجمن السامیہ، ڈیرہ اسماعیل خان نے 1924ء میں اس قسم کے خیالات کا اظہار کیا۔ ایک سال بعد اردو کے ایک مشہور شاعر اور سیاسی لیڈر مولانا حسرت موہانی نے بھی ہندوستا کے اندر مسلمانوں کے تحفظ کی ایک سکیم کا اعلان کیا۔ علامہ اقبالؒ نے دسمبر 1930 کو آلہ آباد میں منعقد ہونے والے مسلم لیگ کے اجلاس میں ایک تاریخ اور طویل خطبہ صدارت دیا جس میں انہوں نے مسلم ریاست کی اہمیت واپنے مفکرانہ انداز میں بیان کیا۔ چودھری رحمت علیؒ کو علامہ اقبالؒ کے اس اہم خطاب میں اپنے تصور تقسیم ہند کے خواب کی تعبیر نظر آنے لگی تھی۔ علامہ اقبالؒ نے اس مسلم ریاست کے قایم پر (سلطنت برطانیہ کے اندر رہ کر یا برٹش ایمپائر سے باہر رہ کر) زور دیا تھا۔ چودھری رحمت علیؒ اسے ہندوؤں اور انگریزوں کے تسلط سے آزاد رکھنے کے زبردست حامی تھے بہرحال علامہ اقبالؒ کے اس تصور نے ان کے اپنے نظریہ تقسیم ہند کو مزید تقیت اور توثیق بخشی تھی اس لیے بھی انہیں برصغیر پاک وہ ند کے اس شہر آفاق شاعر اور مفکر سے محبت وعقیدت تھی۔

5- عالم اسلام کا اتحاد: چودھری رحمت علیؒ علامہ اقبالؒ کی طرح ایک مسلم ریاست قائم کر کے

اسے عالم اسلام کے موثر اتحاد کا ذریعہ بنانے کے خواہش مند تھے۔ قرآنی تعلیمات اور ارشادات نبویؐ نے مسلمانوں کے باہمی اتحاد و محبت کو بہت اہم خیال کرتے ہوئے اس کی پر زور تلقین کی تھی۔ یہ دونوں اسلام پرست قومی رہنما اسلامی اتحاد کے بہت بڑے نقیب تھے۔ علامہ اقبالؒ نے اس کی اہمیت کو بیان کرتے ہوئے کہا تھا:

ایک ہوں مسلم حرم کی پاسبانی کے لیے
نیل کے ساحل سے لے کر تا بخاک کاشغر

پاکستان نیشنل موومنٹ کے ایک بنیادی مقصد کو یوں بیان کیا ہے:

"The creation of a Pan-Islamic World-Organization to bring together all MUslim nations and communities, all Muslim countries and regions in the world". (Pakistan The Fatherland of Pak Nation, P. 229).

یہ اتحاد خیال بھی ان کی علامہ اقبالؒ سے عقیدت کا سبب بنا۔

6- سعی و عمل اور حریت پسندی: علامہ اقبالؒ کی تمام شاعری، دراصل سعی پیہم، عمل مسلسل، جفاکشی خودداری، اسلام دوستی اور حیت پسندی کی دعوت ہے۔ چودھری رحمت علیؒ خود انہی افکار و احساسات کے حامی تھے۔ انہوں نے بڑی ثابت قدمی کے ساتھ ان تصورات کو عملی جامہ پہنا کر دکھایا تھا۔ علامہ اقبالؒ کی شاعری کا یہ حسین پہلو بھی انہیں بہت مرغوب تھا یہ ہیں وہ چند امور جن کی بناء پر انہیں مشرق کے اس نامور شاعر اور اسلامی مفکر سے بے پناہ محبت تھی۔ وہ علامہ اقبالؒ کو خراج عقیدت پیش کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"......... Sir Muhamma Iqbal, that immortal poet of Islam, whose poetry served as a bacon light in the darket period of our history and whose amessage will ever help us on the way to our destiny". (Pakistan the Fatherland of the Pak nation, P. 218).

قیام پاکستان کے لیے ان کی خدمات

برصغیر پاک وہند کی تاریخ ہمیں بتاتی ہے کہ جب سے غیر منقسم ہندوستان میں اسلام کا ظہور ہوا ہے اس وقت سے لے کر اب تک مسلمانانِ ہند ہر دور ابتلاء میں اپنے مذہبی عقائد اور ثقافتی نظریہ سے متمسک رہے۔ اسلام تو ایک زندہ جاوید اور عالم گیر دین ہے۔ خدا نے جس طرح قرآن حکیم کی حفاظت، کا یا قیامت ذمہ لیا ہے۔ اس طرح اس نے اپنے آخری دین کے غلبہ و نفاذ کا وعدہ بھی دیا ہے۔ لیکن غلبہ اسلام کی شرط ایمان کامل ہے۔ ارشاد خداوندی ہے۔

انتم الاعلونان کنتم مومنین (اگر تم مومن ہو تو برتر و غالب رہو گے۔)

اگر ہم اس شرط کو پورا نہ کریں تو ہم دنیا میں غلبہ و اقتدار کے مستحق نہیں ہو سکتے کیونکہ خدا تعالیٰ کا یہ سچا وعدہ ہے۔ بعض حسین تمناؤں، بے روح عبادات، عمل سے خالی عقائد اور محض زبانی محبت اسلام سے ہم غالب و کامران نہیں ہو سکیں گے۔ ہندوستان میں بھی ہمیں اس ایمانی آزمائش

سے کئی بار واسطہ پڑا۔ ایمان کے صحیح تقاضے پورے کرنے کے بعد ہی ہم نظریات ہوئے۔ ویسے تو فاتح سندھ، محمد بن قاسم نے یہاں اسلامی نظام حیات کے شجر طیبہ کو ہندوستان کی زرزمین کفر میں گاڑ دیا تھا لیکن بعض اوقات کفر و عصبیاں کی تیز آندھیاں اسے جڑیں مضبوط ہی ثابت ہوئیں۔ مغلیہ خاندان کے زوال کے بعد انگریزوں اور سکھوں نے مسلم ثقافت کو یہاں سے ختم کرنے کا پروگرام بنایا مگر وہ اپنے منصوبوں میں کامیاب نہ ہوسکے۔ اسلامی نظام کو یہاں برقرار رکھنے کے لیے چودھری رحمت علیؒ سے پیشتر بھی کئی مسلمان زعما اور مفکرین نے نمایاں کردار ادا کیا تھا مولانا عبدالحلیم شرر، شاہ ولی اللہ، شاہ اسمٰعیل شہیدؒ سید احمد بریلویؒ، سرسید احمد خانؒ، مولانا حالی، مولانا شبلی نعمانیؒ اور اکبر آلہ آبادی وغیرہ اپنے اپنے لحاظ سے اسلام کے قیام و نفاذ کے لیے کام کرتے رہے بعدازاں چودھری رحمت علیؒ مولانا حسرت موہانیؒ علامہ اقبالؒ اور مولانا ظفر علی خانؒ (ظفر الملت) اور محمد علی جناحؒ مسلان ہند کی آزادی کے لیے کوشاں رہے۔ یہ سب بزرگ جزوی اختلافات ے باوجود ہمارے لیے واجب تکریم اور قابل صد افتخاد ہیں۔ اپنے اپنے محدود پیمانوں سے ان کی عظمت کا باپ کرکے انہیں ایک دوسرے کے حریف ثابت کرنے کی بجائے ان کے عمدہ کارناموں کا سراہنا اور ان پر عمل کرنا چاہیے۔ پاکستان کے قیام کے سلسلے میں چودھری رحمت علیؒ نے جو کارہائے نمایاں سرانجام دیے ہیں وہ تاریخ کا لازمی اور قابل قدر حصہ بن چکے ہیں۔ مخالفین کی مخالفت کے باوجود وہ اپنے عزم راسخ، اعلیٰ مقصد حیات، تصور پاکستان اور قیام پاکستان کے حصول کے ذریعے مسلمانوں کے محسن اور ملت اسلامیہ کے مایہ ناز فرزند کا مقام رفیع حاصل کر گئے ہیں چونکہ ان کا مقصد حیات اسلامی تعلیمات اور ملی افلاح پر مبنی تھا۔ اس لیے اس کی تکمیل نوشہ تقدیر بن چکی تھی انہوں نے قیام پاکستان کے بارے میں جو ملی اور اسلامی خدمات انجام دی ہیں ان کے چند پہلو ہدیہ قارئین

کیے جا رہے ہیں:

1- نظریہ تقسیم ہند: چودھری رحمت علیؒ نے اسلامیہ کالج لاہور میں اپنے زمانی طالب علمی کے دوران ''بزم شبلی'' کی 1915ء میں بنیاد رکھی تھی۔ اس سوسائٹی کے پلیٹ فارم سے انہوں نے مسلمانانِ ہند کی مذہبی اور ثقافتی قدروں کو محفوظ رکے لیے تقسیم ہند کی تجویز پیش کرتے ہوئے کہا تھا ''ہندوستان کا شمالی حصہ مسلمانوں پر مشتمل ہے اس لیے ہم اسے مسلم علاقہ ہی رکھیں گے نہ صرف یہ بلکہ ہم اسے ہند میں رہنے والے مسلمان انڈین قومیت کو ختم کر دیں۔ مسلم ریاست کے قیام کے لیے یہ اولین شرط ہے بنابریں جس قدر جلدی کے اتھ ہم ہندوستانیت سے چھٹکارا پالیں اس قدر اس قدر یہ ہمارے اور اسلام کے لیے بہتر ہوگا۔ چودھری رحمت علیؒ اس تصور کے مختصر تاریخی پس منظر کے بارے میں اظہار خیال کرتے ہوئے کہتے ہیں:

"It was in 1915 one of th emost fateful years in t history of Islam that I gave my Political expressionto when founding the baz-i-Shibi..... (Pakistan. th Fatherland of the Pak Nation, PP.213-214)

2- قلمی اور زبانی جہاد: چودھری رحمت علیؒ نے جب ایک مکمل طور پر آزاد مسلم ریاست کا خیال 1915ء میں پیش کیا تو زیادہ تر ہندوؤں اور انگریزوں نے اس کو کوئی خاص نوٹس نہ لیا۔ بعد ازاں جب دسمبر 1930ء میں علامہ اقبالؒ نے اپنے خطبہ الہ آباد میں ہندو مسلم یگانگت اور اتحاد کی خاطر ایک مسلم ریاست کے قیام کا مطالبہ کیا تو مسلمانان ہند کے علاوہ انگریز اور کانگریسی لیڈر بھی چونک پڑے۔ علامہ اقبالؒ کے اس اعلان نے چودھری رحمت علیؒ کے دل میں اپنے نظریہ تقسیم ہند کی صداقت کو مزید مستحکم بنایدا۔ وہ اب پورے جوش و کروش کے ساتھ

برطانیہ میں اس کے لیے آمادہ جہاد ہو گئے۔ وہ 1930ء میں اعلیٰ تعلیم کے لیے انگلستان آ گئے تھے اس لیے انہوں نے 1930ء کے بعد یہاں تحریر و تقریر کے ذریعے اس تصور ریاست کو عام کرنا شروع کر دیا۔ وہ برٹش ایمپائر کے اثر و رسوخ سے آزاد اسلامی ریاست کے حامی تھے جب کہ زیادہ تر مسلم قائدین سلطنت برطانیہ کے زیر اثر بھی اسے قائم کرنے میں کوئی خاص نقصان خیال نہیں کرتے تھے۔ بہر حال اس اختلاف کے باوجود ہندوستان کے مسلمان زعماء مسلم ریاست کے قیام کے زبردست حامی تھے اسلام خدا کی غلامی کے علاوہ کسی قسم کی انسانی غلامی کو پسند نہیں کرتا اس لیے جداگانہ اسلامی ریاست کا قیام غلبہ اسلام کے لیے اولین شرط بن جاتا ہے۔ ہندو اور انگریز لیڈر اور سیاست دان چودھری رحمت علیؒ کے نظریئے کو اپنے مخصوص مفادات کے لیے زبردست خطرہ محسوس کرتے تھے۔ جب چودھری رحمت علیؒ پر مختلف اطراف سے الزامات عائد کیے گئے تو انہوں نے جرات ایمانی کا مظاہرہ کرتے ہوئے ان کے جھوٹے الزامات کے پرخچے اڑا دیئے۔

3- **تحریک آزادی کا قیام:** یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ اپنے نظریات کی نشر و اشاعت کے بغیر موجودہ دور میں کوئی بھی صاحب مقصد انسان کامیاب نہیں ہو سکتا۔ اگر اس زمانے کو پراپیگنڈہ کا دور کہا جائے تو یہ مبالغہ نہیں ہو گا۔ چودھری رحمت علیؒ کو اپنے تصور پاکستان پر اتنا پختہ ایمان تھا کہ انہوں نے پمفلٹ لکھنے کے علاوہ موومنٹ'' رکھا گیا۔ اس تنظیم آزاد سے پہلے وہ اپنا مشہور اعلان ''اب یا کبھی نہیں''Now or Never جاری کر چکے تھے۔ جسے بعد ازاں انہوں نے کتابی شکل میں پیش کر دیا تھا وہ اپنی اس تحریک آزادی کے مقاصد پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھتے ہیں:

" After issuing the Declaration I took up the questior

centre of members to work for Pakistan, for the P
Plan, and for the Pak ideology...For nothing but th
could promise our deliverance, our deence, and o
destiny. So I took up the next step ad founded th
Pakistan National Movement in 1933. (Ibid: P. 227)

اس اقتباس سے یہ بات بالکل واضح ہو جاتی ہے کہ چودھری رحمت علیؒ کو قیام پاکستان، پاک تجوزی اور پاکیزہ آئیڈیالوجی سے شدید محبت تھی۔ پاکستان کے قیام کے ضمن میں ان کی بے لوث خدمات کا بانگ دہل اعتراف نہ کرنا سخت ناانصافیوں اور فراموشی ہے جس شخص نے اس اسلامی ریاست کے قیام کے لیے اپنا تن من دھن قربان کر دیا ہو اس کے خلوص نیت، ملت دوستی اور اسلام پرستی میں کیا شک ہو سکتا ہے:

اے اہل نظر! ذوق نظر خوب ہے لیکن
جو شے کی حقیقت کو نہ دیکھے وہ نظر کیا

(اقبالؒ)

چودھری رحمت علیؒ کا نظریہ پاکستان

اسلام باقی مذاہب سے خصوصاً عیسائیت ، یہودیت اور ہندومت سے پرانا دین نہیں ۔ یہ ان مذاہب کے بعد آیا ہے لیکن اس کا حقیقی ظہور اس کے اساسی نظریات ان سب مذہب سے قدیم ہیں ۔تمام انبیائے کرام اسلام ہی کے نقیب ہو کر تمام انسانوں کو خدائے واحد اور اس کی عطا کردہ ابدی تعلیمات پر چلنے کا درس دیا کرتے تھ۔ آدمؑ سے لے کر آ کری پیغمبر حضرت محمد ﷺ تک تمام انبیاء اور رسول خدا کے سامنے تسلیم م کرنے اور الہامی صداقتوں کو بدل و جان مان کر عمل پیرا ہونے پر زور دیا کرتے تھے۔ اس لحاظ سے ''اسلام'' خا کی اطاعت پر سر جھکانا یا اپنے آپ کو مکمل طور پر خدا کے سپر کر دینا کی تعلیم تمام سابقہ ابنیائے کرام کا مقدس فریضہ تھا۔ قرآن حکیم میں ارشاد ایزدی ہے کہ ہر نبی اپنی قوم کو یہ پیغام دیا کرتا تھا۔ ''**یقوم بعد اللّٰہ**'' (اے میرے قوم کے افرا! اللہ کی غلامی اختیار کرو) اصل کے اعبار سے اسلام قدیم ترین ضابطہ خداوندی ہے لیکن عموماً اسے بعثت محمدؐ سے متعلق خیال کیا جاتا ہے۔ ہادی برحق اور رسول معظمؐ کی نبوت سے گزشتہ انبیاء کے خدائی مشن کی تکمیل کا دوسرا نام ہے۔ خدا کا یہ آخری اور مکمل دین ہی سب انسانوں کی فلاح و سلامتی کا ضامن ہو سکتا ہے۔ چودھری رحمت علیؒ اس عالمگیر دین کے

تمعلق جو تصورات رکھتے تھیاں کا اجمای تذکرہ یہاں کیا جاتا ہے۔صحات کی تنگ دامانی اور وقت کی قلت کو پیش نظر رکھتے ہوئے چودھری رحمت علیؒ مرحوم ومغفور کے اسلامی تصورات کی چند جھلکیاں ہی یہاں پیش کی جائیں گی۔ کیونکہ

سفینہ چاہیے اس بحر بیکراں کے لیے

1-دین حق اسلام کی قرآنی اساس کی حفاظت کا خدا تعالیٰ نے خود ذمہ لیتے ہوئے فرمایا تھا انا نحن نزلنا الذکر و اناله لحافظون (بلاشبہ ہم نے قرآن کو نازل یا ہے اور بعدن شک ہم ہی اس کی حفاظت کرنے والے ہیں) جس آئین حیات کی حفاظت کی خدا نے قیامت تک خود ذمہ داری لی ہو اس میں تبدیلی وترمیم کی کہاں گنجائش باقی رہتی ہے؟ چونکہ قرآن خدا کا نازل کردہ اور ہر قسم کی انسانی تحریف سے پاک ضابطہ حیات ہے، اسلیے یہ دین حقیقی ہماری پروری کا متقاضی ہے علاوہ ازیں یہ دین ہماری انفرادی اور اجتماعی زندگی کے تمام شعبہ جات میں ہماری رہنمائی کرتا ہے جب یہ مکمل اور حقیقی دین ہے تو پھر سیاست جیسے اہم انسانی شعبے کو اس سے کیسے جدا کیا جا سکتا ہے۔انہیں حقائق کو ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے چودھری رحمت علیؒ نے اسلام کو اپنی زندگی کا اوڑھنا بچھونا بنا لیا تھا۔ وہ اس حق کے ساتھ کسی باطل کی آمیزش کے زبردست مخالف تھے ان کا تصور پاکستان اسی بنیاد پر قائم تھا۔ وہ انگریزوں اور ہندوؤں کو اسام کے بدترین دشمن قرار دیتے ہوئے ان سے کسی قسم کی مفاہمت کے روادار نہیں تھے۔اس ضمن میں ان کے یہ الفاظ قاب توجہ ہیں:

"...... Whichever political party was in powr in Brittain our de-nationalization constituted the core of British policy; whichever Caste Hindoo Party was in control

the Indian National Congress, our de-Islamization remained the creed of Caste Hindoo politics ..... our "Indianization" forme the content of the British . Bani Alliance....."

(Pakistan the Fatherland of Pak Nation, P. 212).

علامہ اقبالؒ بھی حق و باطل کی آمیزش کے خلاف صدائے احتجاج بلند کرتے ہوئے کہتے ہیں:

باطل دوئی پسند ہے حق لا شریک ہے
شرکت میانہ حق و باطل نہ کر قبول

2- آزاد دین: اسلام انسانوں کے خود ساختہ قوانین کی بجائے اس خدائے واحد کے آئین محکم کی پیروری کا حکم دیتا ہے جس کے علم و حکمت اور قدرت و رحمت کی کوئی انتہا نہیں۔ خدائی پیغام کے حامل نفوس قدسیہ ہمیشہ اپنے اپنے ملک اور زمانے کے لوگوں کے دل و دماغ میں خدا کی حاکمیت کا تور جاگزیں کرنے کی سعی بلیغ کرتے رہے۔ انسانوں کے بنائے ہوئے قوانین کتنے غور و فکر کے بعد کیوں نہ وضع کئے جائیں ان میں تیر و تبدل کے امکان کو رد نہیں کیا جاسکتا کیونکہ انسانی علم محدود اور خطا و نسایان پر مبنی ہوتا ہے۔ اس کے برعکس خدا تعالیٰ کی حکمت بالغہ نے تمام ادوار کے حالات و تغیرات کو ہمیشہ پیش نظر رکھ کر تمام انساوں کی مکمل فلاح و بہبود کے قوانین الہام و وحی کی شکل میں ہمیں عطا کئے ہیں اس لحاظ سے وہ ثبات و تغیر کے حسین امتزاج کے آئینہ دار ہوتے ہیں۔ آزادی فکر و عمل قرآنی تعلیمات کا خاصہ ہیں۔ چودھری رحمت علیؒ مسلمانان ہند

کے لیے بالخصوص اور اسلامیان عالم کے لیے بالعموم مکمل آزادی کے طالب و موید تھے۔ ان کا مطالبہ آزدی عین اسلام کے نظریہ حریت کے مطابق تھا۔ 1857ء کی جنگ آزادی کے بعد مسلمان تعلیٰ، سیاسی، عسکر، ثقافتی، اخلاقی مذہبی اور اقتصادی حیثیت سے پسماندہ وہ گئے تھے۔ چودھری رحمت علیؒ اس بے ہمی گیر نتائج پر بحث کرتے ہوئے کہتے ہیں:

"The most important of these vents is of course, the tragedy of 1857 - the tregedy which..... deprived us of our national sovereignty in Pakistan and of our imperial supremacy in Dinia." (Ibid, P. 209)

آزادی کی قدر و اہمیت کا احساس دلاتے ہوئے ترجمان قوم علامہ اقبالؒ نے اس سے بہت پہلے کہہ دیا تھا:

؎ بندگی میں گھٹ کے رہ جاتی ہے اک جوئے کم آب
اور آزادی میں بحر بیکراں ہے زندگی

3- امپریلزم پرانے زمانے میں خدائی احکام کو چھوڑ کر انسان دوسرے انسانوں کے لام بن گئے تھے۔ وہ ایک حقیقی معبود کو چھوڑ کر بے شمار چھوٹے چھوٹ معبودان باطل کے پرستار بن کر ذلیل خوار ہو گئے۔ عہد عتیق میں ایک انسان دوسرے مجبور بے بس اور جاہل عوام پر حکمرانی کا حق جتاتا تھا۔ مگر نئے زمانے میں حکمرانی کا یہ حق مختلف گرہوں اور طاقتور قوموں نے اختیار کر لیا ہے۔ کمزور، مجبور اور پسماندہ قوموں کو اقتصادی سیاسی اور فکر طور پر اپنا غلام بنانا دراصل قدیم ملوکیت کی نئی شکل ہے جسے ہم امپیریلزم کہہ سکتے ہیں۔ چودھری رحمت علیؒ اس استحصال کو غیر اسلامی خیال کرتے ہوئے ہمیشہ اس کی مخالفت پر کمر بستہ رہتے تھے۔ وہ برطانوی امپیریلزم کو

ہدفِ تنقید بناتے ہوئے کہتے ہیں:

" ...... We were depreived of our nationhood robbed our homeland,s and reduced to the position of hewe of wood and drawers of water for the British ad th allies, the Bania, (Ibid P. 2111).

وہ ہندوؤں کی اقتصادی برتری اور انگریزوں کی سیاسی فوقیت کو اسلامیانِ ہند کے خلاف برطانیہ اور غیروں کی سازش سمجھتے تھے۔

4- روایات اسلامیہ علامہ اقبالؒ کی طرح چودھری رحمت علیؒ بھی ہمیں اسلام کے شاندار ماضی اور درخشاں مستقبل کا احساس دلاتے رہے تاکہ ہم اپنے زوال کو عروج میں بدل سکیں۔ وہ مستقبل کو ماضی کے قابل فخر اور مضبوط رشتوں سے الگ تھلگ خیال نہیں کرتے تھے وہ ہندوستان کے پسماندہ اور محکوم مسلمانوں کے تاریک دلوں میں شاندار روایات سلف کا چراغ جلانے کی ہر ممکن سعی کرتے رہے۔ اس ضمن میں ان کی مندرجہ بالا کتاب کا یہ اقتباس ملاحظہ ہو:

"...... We should have kep our national entity distin from Indians and our territorial enitity sparate fro India. Not only that. We shoudld have reared or youth in ourown tradition, nursed oru people back strengthen our own homelands........." (Ibid P. 210)

اسلام کا عطا کردہ ثقافتی تشخص اور ملی شوکت کا یہ احساس ان کی اسلام پرستی کا منہ بولتا ہوا ثبوت ہے۔

وطن کو مراجعت

چودھری رحمت علیؒ عرصہ دراز تک انگلستان میں قیام پذیر رہے۔ وہ 1930ء میں یہاں آئے تھے تا کہ وہ اعلیٰ تعلیم ڈگریاں حاصل کر لیں چنانچہ انہوں نے کیمبرج اور ڈبلن کی انش گاہوں سے ماسٹر آف آرٹس (ایم۔اے) اور بیچلر آف لاز (ایل ایل بی) کی ڈگریاں لینے کے بعد لندن کی ایک مشہور قانونی درس گاہ مڈل ٹمپل ان (Middle Temple inn) سے بار ایلٹ لاء کی سند حاصل کی۔ اپنے اس تعلیم قمصد کے ساتھ ساتھ وہ مسلمانان ہند کی مکمل آزادی اور چند آزاد مسلم ریاستوں کے قیام کے لیے دن رات کام کرتے رہے۔ یہاں انہوں نے اپنی تحریر و تقریر کے ذریعے برطانوی سایست دانوں اور صحافیوں کو لفظ ''پاکستان'' سے نہ صرف آشنا کیا بلکہ ہندوستان کے چنگل سے مسلمانوں کو نکالنے ے لیے ان عوام کو بے نقاب کیا جو قیام پاکستان کے لیے بے حد ضروری تھے۔ چودھری رحمت علیؒ نے سب سے پہلے 1933 میں اپنے پمفلٹ ''اب یا کبھی نہیں'' (Now or Never) میں لفظ ''پاکستان'' کے مفہوم پر مفصل روشنی ڈالی تھی۔ اس کے بعد انہوں نے ایک دو جلسوں سے خطاب کر کے تحریک آزادی کے

مختلف پہلوؤں پر اظہار خیال کیا۔ علاوہ ازیں وہ چند مسلم قائدین سے بھی ملے۔ وہ لاہور میں منعقد ہونے والے مذکورہ بالا اجلاس میں شرکت کے لیے آنے کی تیاری کر رہے تھے کہ سر سکندر خان ٹوانہ کی وزارت نے ان نہ صرف داخلہ ممنوع قرار دیا بلکہ ان کی گرفتاری کے وارنٹ بھی جاری کر دیئے۔ چودھری رحمت علیؒ مایوسی اور ناراضگی کے عالم میں انگلستان واپس آ گئے۔ ایسے محسن ملت اور ہمدرد قوم لیڈر کے ساتھ ایسا توہین آمیز سلوک کسی بھی معاف نہیں کیا جا سکتا۔ وہ اسلامیان ہند کی آزادی اور آبرومندانہ زندگی کے لیے دیار غیر میں شب و روز کام کرتے رہے انہوں نے ان کی خاطر اپنے ذاتی مفادات کو قربان کرتے ہوئے ہر قسم کی تکلیف کو صبر اور استقلال کے ساتھ برداشت کیا تھا۔ غیر مسلموں کی مخالفت تو سمجھ میں آ سکتی ہے۔ لیکن اپنوں کی یہ بے رخی قابل مذمت نہیں تو اور کیا ہے؟

آل انڈیا مسلم لیگ کا سالانہ اجلاس 22 مارچ 1940 کو لاہور میں منعقد ہوا مگر چودھری رحمت علیؒ نے مسلمانوں کی آزاد اسلامی ریاست کے لیے ''پاکستان'' کا جو لفظ تجویز کیا تھا اسے قرارداد لاہور (لاہور ریزلیوشن) میں شامل نہ کیا گیا چودھری رحمت علیؒ کی عدم موجودگی میں یہ تاریخی قرارداد منظور کی گئی تھی۔ یہ دونوں باتیں بھی دل شکنی اور مایوسی کا باعث بن گئی تھیں۔ بہر حال وہ خدا کی ذات پر بھروسہ کرتے ہوئے دوبارہ اپنے قومی کاموں میں مصروف ہو گئے۔ چودھری رحمت علیؒ مرحوم نے خدائی تائید کی بناء پر مسلمانان ہند کی مکمل طور پر آزاد اسلامی ریاست کے لیے ''پاکستان'' کا لفظ بڑے غور و خوض کے بعد تجویز کیا تھا۔ جب ''قرارداد لاہور'' میں ان کا تجویز کردہ یہ نام شامل نہ کیا گیا تو ہندو پریس نے طنزاً قیام پاکستان کو ناممکن قرار دیا۔ خدا کی قدرت دیکھئے کہ بعد میں یہی نام نہ صرف مسلم کو اپنانا پڑا بلکہ مخالفین پر بھی اس کی عملی حقیقت ظاہر ہو گئی۔ وہی ہندو صحاف تھے انہیں اب یہ لفظ قیام پاکستان تسلیم کرنا پڑا۔ بانی

پاکستان محمد علی جناحؒ نے بھی ہندوستان میں دو بڑی قوموں ہندوؤں اور مسلمانوں کے وجود کو پیش نظر رکھتے ہوئے دو قومی نظریئے کی بنیاد پر مسلمانوں کے لیے جداگانہ مسلم ریاست کا مطالبہ کیا تھا۔ جب پاکستان کے لفظ کی خوب تشہیر ہوگئی تو مسلمانوں کے اس بلند ہمت، دور اندیش اور ہمدرد قوم لیڈر یعنی محمد علی جناحؒ نے جون 1947ء میں تقریر رحمت علیؒ کا تجویز کیا ہوا نام اب بقائے دوام حاصل کر چکا ہے۔ مسلمانوں پاکستان کا مطلب لا الہ الا اللہ قرار دیتے ہوئے 14 اگست 1947 کو اس کا وجود عملاً ثابت کر دیا تھا۔ اس طرح پاکستان کی تشکیل کا خواب شرمندہ تعبیر ہوگیا۔ قیام پاکستان کسی فرد واحد کی کوششوں کا نتیجہ نہیں بلکہ اس کے لیے بے شمار انسانوں نے قربانیاں دے کر اسے بنایا ہے۔ ہر ایک کی قربانی واجب ذکر اور لائق تحسین ہے۔

چودھری رحمت علیؒ دوسری بار 1948ء کو وطن واپس آئے تا کہ وہ اپنے خوابوں کی تعبیر کو اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کر کے خدائے ذوالجلال کی بے پایاں عنایت و اکرام کا شکر ادا کر سکیں اور آزادانہ ماحول میں اسلامی زندگی بسر کریں۔ وہ ایک بار پاکستان کے قیام سے پہلے اور دوبارہ تشکیل پاکستان کے بعد اپنے وطن تشریف لائے تھے۔ اس مرتبہ بھی ان کے ساتھ کوئی اچھا سلوک نہ کیا گیا۔ وہ چاہتے تھے۔ کہ اپنی بقیہ زندگی کے دن یہاں بسر کریں اور اپنے ملک کی مزید خدمت کر سکیں۔ اگر ان کے خیلات سن کر انہیں مزید قومی اور اسلامی خدمت کا موقع دیا جاتا تو وہ پاکستان اور اسلام کی ترقی کے لیے بہت کچھ کر جاتے۔ بہر حال گذشت آنچہ گذشت، مخلص لوگوں کو ہمیشہ یہ شکوہ رہا ہے کہ ان کی محنت کا ثمر تو دوسرے لوگ حاصل کر لیتے ہیں اور وہ زمانے کے حوادث کی تھپیڑے کھاتے رہتے ہیں۔ ہر صاحب علم عالمی شہرت رکھنے والے شاعر مشرق اور مفکر اسلام علامہ اقبالؒ کی اسلامی اور قومی خدمات سے آگاہ ہے۔ انہوں نے بھی تمام عمر مسلمانوں کی فلاح و بہبود کے لیے اپنی صلاحیتوں کو وقف کر دیا تھا۔ چودھری رحمت علیؒ کی

طرح وہ بھی اسلام کے سچے شیدائی اور مسلمانوں کے حقیقی غمگسار تھے۔ اس تمام ایثار و خلوص کے باوجود بھی انہیں یہ شکایت تھی:

ے اپنے بھی خفا مجھ سے ہیں بیگانے بھی ناخوش
میں زہر ہلاہل کو کبھی کہہ نہ سکا قند

چودھری رحمت علیؒ جب 1940ء میں وطن واپس آئے تو اس مہمان محترم کا شایان شان استقبال کرنے کی بجائے ان کے داخلہ کو ممنوع قرار دے کی ان کی زبان بندی کی گئی اور اہل چمن نے مل کر اس عندلیب سوختہ دل کی طرز فغاں بھی لوٹ لی۔ ان حالات میں ایثار پیشہ اور مخلص انسان کا دل برداشتہ ہو کر اپنے وطن مالوف کو چھوڑ کر پھر دیار غیر میں پناہ تلاش کرنا ایک قدرتی امر ہے اگر انسان کو اپنے ملک میں معاشی تحفظ، ذہنی سکون، آزاد ماحول اور اسلامی معاشرت مہیا آئے تو اسے اپنے وطن اور عزیزوں سے جدا ہو کر کافرانہ ماحول میں زندگی گزارنے کی کای ضرورت ہو سکتی ہے۔ یہ بھی کہا جاتا کہ چودھری رحمت علیؒ نے مسئہ کشمیر کی یو این او میں نمائندگی کرنے کے لیے اپنی خدمات پیش کی تھیں مگر اس پیش کش کو قبول نہ کیا گیا۔ ایسے لائق دور اندیش، شعلہ بیاں، حقیقت پسند اور اسلام کے بہی خواہ کا اگر یہ موقع مل جاتا تو آج شاید کشمیر کی تقدیر بدل جاتی۔ وہ حقیقت میں ہمارے ملی کارواں کی متاع تھے:

ے وائے ناکامی متاع کارواں جاتا رہا
کارواں کے دل سے احساس زیاں جاتا رہا

انگلستان میں ان کی تحریر وتقریر کی مہم

چودھری رحمت علیؒ نے لاہور میں تحریر وتقریر کا آغاز کیا تھا۔ انہوں نے پہلے اسلامیہ کالج لاہور کے رسالہ ''کریسنٹ'' کی ادارت سنبھالی بعدازاں وہ علامہ اقبالؒ کے ایک گہرے دوست محمد دین فوق کشمیری کے رسالہ ''کشمیر'' سے منسلک ہوگئے تھے۔ یہاں وہ زیادہ تر انقلابی نوعیت کے مضامین لکھتے رہے۔ جب وہ اعلیٰ تعلیم کے لیے 1930ء میں انگلستان تشریف لائے تو انہوں نے اپنی ادبی اور صحافتی دلچسپی کو قائم رکھا وہ وہپنے وطن کے دو معروف اخبارات' انقلاب، اور زمیندار، یہاں منگوا کر قومی اور وطنی سیاست سے باخبر رہے۔ مولانا عبدالمجید سالک، غلام رسول مہر اور بابائے صحافت مولانا ظفر علی خان کے رشحات قلم ان کے زیر مطالعہ رہے۔ جب ملکی حالات مزید خراب ہونے لگے اور انگریز ہندوستان کو آزادی دینے کے لیے مجبور ہوئے تو 1930ء سے 1933ء تک یہاں تین گول میز کانفرنسیں منعقد کی گئیں ان راؤنڈ ٹیبل کانفرنسوں کے انعقا کا اولیند مقصد ہندوستان کے ہندو اور مسلمان لیڈروں اور سیاست دانوں کے درمیان ہند کے مسئلے پر اظہار خیال کے ذریعے کوئی متحدہ فارمولا تیار کرنا تھا۔ برطاونی حکومت پہلی جنگ عظیم کے بعد اس حیثیت میں نہیں رہی تھی کہ وہ موثر طور پر متحدہ

ہندوستان پر اپنی حکومت کو زیادہ تر عرصہ تک قاء رکھ سکے۔ علاوہ ازیں ہندوستان کے سب باشندو کے دلوں میں حصول آزادی کے بے پناہ جذبہ بیدار ہو چکا تھا انگریز اور ہندو دونوں مسلمانان ہند کی مکمل آزادی کے حامی نہیں تھے۔ ہندو لیڈر یہ چاہتے تھے کہ مسلمان ان کے مل کر انگریزوں اور ہندوستان کو نجات تو دلانے میں قربانیاں دیں مگر وہ انگریزوں کے چلے جانے کے بعد مسلمانوں کو اپنا سیاسی، اقتصادی اور ثقافتی غلام بنانے کے خواب دیکھ رہے تھے زیادہ تر مسلمان راہنما ہندوستان اور برطانوی یمپائر کے زیر اثر نیم آزادی کو مکمل غالامی سے بتر خیال کرتے تھے مگر چند مسلما سیاستدان اس سکیم کے مخالف تھے۔ چودھری رحمت علیؒ اس گروہ سے تعلق رکھتے تھے جو برطانیہ اور ہندو اثرات کے تحت آزاد کو درست کیال نہیں کرتے تھے چنانچہ چودھری رحمت علیؒ نے بڑی جرات ایمانی حق گوء اور بے باکی سے کام لیتے ہوئے اپنے مخلصانہ اور قومی جذبات کا اظہار کیا تھا:

آئین جواں مرداں، حق گوئی و بے باکی
اللہ کے شیروں کو آتی نہیں روباہی

اپنے اس تصور آزادی کی وضاحت و تبلیغ کے لیے انہوں نے انگلستان کے اخبارات میں مضامین کا سلسلہ شروع کر دیا اور مکتلف اخبارات کو انٹرویو بھی دیئے۔ ان مضامین کے علاوہ ان کی دو کتابیں بہت اہمیت کی حامل ہیں۔ ذیل میں برے مختصر طور پر ان کا تذکرہ کیا جاتا ہے:

1- اب یا کبھی نہیں: یہ چند صفحات پر مشتمل ایک پمفلٹ (کتابچہ) تھا جو چودھری رحمت علیؒ نے گول میز کانفرنسوں کی روئداد سے مایوس ہو کر جاری کیا اور ملسم مندوبین سے درخواست کی کہ وہ ہندوستانی وفاق کی پیش کردہ برطانوی سکیم کو قبول نہ کریں کیونکہ اس طرح مسلمان

ہندوستانی قومیت میں ضم ہو جائیں گے اور ان کی مذہبی و ثقافتی اقدار کا تحفظ مشکل ہو جائے گا۔ بد قسمتی سے ان کا احتجاج صدا بصحرا ثابت ہوا۔ جب انہوں نے صورت حالات میں کوئی تبدیل نہ دیکھی تو انہوں نے بعدازاں اس اعلان کو 28 جنوری 1933ء میں اپنے کیمبرج والے پتے 16 مانٹیگو روڈ کیمبرج) سے ایک کتابچہ کی شکل میں شائع کیا۔ اس پمفلٹ کا مرکزی خیال یہ تھا ہمیں اب ڈٹ کر ہندوستان وفاق کی مخالفت کرنی چاہیے وگرنہ ہم مکمل طور پر اسلامی ریاست کو کبھی بھی قائم نہیں کر سکیں گے۔ اگرچہ اس وقت چودھری رحمت علیؒ کی یہ سکیم قبول نہ کی گئی مگر بعدازاں مسلمان لیڈروں کو اس کی صداقت کا احساس ہو گیا تھا۔ اس بارے میں چودھری رحمت علیؒ کے یہ تاثرات مطالعہ فرمائیے:

" warned the Mulsim delegates I knew that their act had obliterated the twelve centuries of or history. Ibegged them to realize their responsibility befo Allah and His rasool and to with draw their demand the Indian Federation.... But all without result. inspired by the sense of a divine missio, I review the situation most solemnly and came to th conclusion that it was now or never; that any furth silence would be fatal." (Pakistan the Father land the Pak Nation, PP. 222-223)

مکمل آزادی کے حصول کے لیے انہوں نے بعد میں یہاں 1933ء میں ''پاکستان موومنٹ'' کی

تحریک بھی شروع کردی تھی۔

پاکستان۔ پاک قوم کا آبائی وطن۔ چودھری رحمت علیؒ کی سیاسی اور مذہبی نظریات کا صحیح ادراک کرنے کے لیاس کتاب کا مطلاعہ بہت ضروری ہے اس کتاب کے کئی ابوابمیں انہوں نےمختلف موضوعات پر اظہار خیال کیا ہے۔ یہ کتاب انہوں نے اپنے کیمبرج والے پتے سے دسمبر 1946ء کا شائع کی تھی۔ یہ کتاب 376 صفحات پر مشتمل ہے اس میں انہوں نے اپنے پمفلٹ ''اب یا کبھی نہیں'' ''بزم شبلی'' کے قیام اور اپنی حریت پسندانہ تنظیم '' پاکستان نیشنل موومنٹ'' کے علاوہ لفظ پاکستان کے مطلب اور اسلامی ریاستوں کے وفاق پر مبنی '' پاک کامن ویلتھ آف نیشنز'' کے موضوعات پر روشنی ڈالی ہے اس کتاب میں پاکستا کا وہ نقشہ بھی ہے جو انہوں نے 933ء میں تیار کیا تھا۔ الرض اس کتابکے مطالعہ سے ہمیں پاکستان کے اس عظیم فرزند اور مایہ ناز مسلم قائد کے بنیادی تصورات خصوصاً نظریہ پاکستان سے بخوبی آگاہی ہوتی ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ان کی یہ لافانی کتابخون جگر سے لکھی تئ ہے۔ خون جگر ہی کسی فن پارہ کو صفت دوام عطا کرتا ہے۔ جیسا کہ علامہ اقبالؒ کہتے ہیں:

؎ رنگ ہو یا خشت و سنگ چنگ ہو یا حرف و صوت
معجزہ فن کی ہے خون جگر سے نمود

چودھری رحمت علیؒ کا نظریہ زندگی

زندگی کی باتداء اس کی نوعیت اور مقصدیت اور انتہا کے بارے میں بے شمار فلاسفر اور مفکرین نے اپنے اپنے خیلات کا اظہار کیا ہے۔ مادہ پرست اس کا آغز مادہ میں ڈھونڈ کر اس کو صرف مادی ضروریات کی تکمیل کا نام دیتے ہیں۔ روحانیت پرست اور عارفین اس کی روحانی اساس اور روحانی نوعیت میں پختہ یقین رکھتے ہوئے اس محض روانی ترقی اور باطنی طہارت سمجھتے ہیں۔ تشکیک پرست اور دہریت کے حاملین خدا اور روح کے وجود کو محض خیلا اور وہمی قرار دیتے ہوئے انسان کی روحانی ضروریات کے منکر ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ زندگی نہ سرف مادی ہے اور نہ محض روحانی بلکہ یہ مادہ اور روح کا مجموعہ ہے۔ اسی طرح ذاتی نجات کے متلاشی دنیاوی ذمہ داریوں اور اجتماعی معاملات سے روگردانی کر کے گوشہ عذلت ڈھونڈنے کی فکر میں رہتے ہیں۔ اسلامکا جامع، متوازن اور مکمل نظام حیات ہمارے مادی، روحانی ذہنی، انفرادی اور اجتماعی پہلوؤں پر حاوی ہے چودھری رحمت علیؒ کے خیال میں زندگیگ مندرجہ ذیل امور پر منحصر ہے۔ زندگی کے کے بارے میں ان کا نظریہ بڑا کھرا ہوا اور پاکیزہ معلوم ہوتا ہے ان کے تصور حیات کے درج ذیل گوشے ہمارے قارئین کے لیے دلچسپی کا باعث ہوں گے۔

1-روحانی اساس   قرآنی تعلیمات کی روشنی میں ہماری زندگی کا مبداء ومنتہا خدا تعالیٰ کی ذات ہے۔ ہم خا کو ہوالاول اور والا آخر مانتے ہیں۔ اول و آخر ہونے کے ساتھ ساتھ وہ ہوا نظاہر اور ہوالباطن بھی ہے۔ بعض شارحین ظاہر وہ باطن سے وحدت الوجود اور بعض وحدتہ الشہود مراد لیتے ہیں۔ بہرحال خدا تعالیٰ کی ذات ہمہ صفات ہی کائنات کی تخلیق کا باعث ہے۔ روح کو قرآن نے من امر ربی کہا ہے اسلامی نظریہ حیات کے مطابق ہمارے جائے پناہ منزل کبریا ہے جیسا کہ قرآن کہا ہے۔

والی ربك المنتهی (تیرے پروردگار کی طرف انتہا ہے) چودھری رحمت علیؒ نے لفظ ''پاکستان'' کا مطلب بیان کرتے ہوئے کہا ہے ''روحانی طور پر پاکیزہ اور صاف لوگوں کا وطن'' وہ اس مملکت میں پاکیزہ قوانین کو جاری وساری رکھ کر لوگوں کی روحانی پاکیزگی کے قائل تھے وہ زندگی کو صرف کواب وخورش تصور نہیں کرتے تھے۔ قرآن جمس و روح کی دوئی کا قائل نہیں بقول اقبالؒ:

اگر نہ ہو تجھے الجھن تو کھول کر کہہ دوں
وجود حضرت انساں نہ روح ہے نہ بدن

2- انقلاب آفرینی   زندگی ہر دم اور ہر جگہ مختف تبدیلیاں اختیار کرتی ہیں۔ تبدیلی اچھی بھی ہوتی ہے ار بری بھی۔ چودھری رحمت علیؒ زندگی میں بہتر تبدیلی اور خوشگوار اثر پیدا کرنے کے حق میں تھے۔ انسان اگر سنگ وخشت کی مانند ہوتا تو اس کی زندگی بالکل جامد اور غیر متحرک ہوتی مگر وہ تو عقل، شعور اور ارادے اور جذبات کا مالک ہے۔ خدا تعالیٰ نے اسے مختلف صلاحیتوں سینوازا ہے تا کہ وہ حیوانوں اور بے جان چیزوں کی سطح سے بلند ہوتا جائے۔ اگر کسی کی زندگی

انقلاب گیز، ارتقاء پذیر اور حرکی نہیں تو سمجھ لینا چاہیے کہ وہ ظاہر میں زندگی ہے مگر درحقیقت وہ مردہ ہے اس مردہ دل کو زندگی کا قرینہ سکھا کر ہی قابل احترام بنایا جا سکتا ہے:

ے دل مردہ دل نہیں ہے، اسے زندہ کر دوبارہ
کہ یہ ہے امتوں کے مرض کہن کا چارہ
ے جس میں نہ ہو انقلاب، موت ہے وہ زندگی
روح امم کی حیات، کشمکش انقلاب

چودھری رحمت علیؒ کی زندی علامہ اقبالؒ کے مذکورہ بالا دو شروع کی بہترین تفسیر تھی۔ وہ ساری عمر اسلامی نظریہ حیات کی ترویج و اشاعت کے لیے سرگرم عمل رہے انہوں نے اپنی جوانی کے عالم مین "بزم شبلی" کے کانگریسی ذہن رکھنے والوں کو خطاب کرتے ہوئے 1915 میں کہا تھا:

"Yoru work for your Indian revolution but I will work my Islamic Revolution.(Pakistan P. 214)

یہ بات ذہن میں رہے کہ اس وقت ان کی عمر اٹھارہ سال تھی۔ جوانی کا زمانہ سراسر جوش و مستی کا زمانہ ہوتا ہے ایسے عالم جوش میں ہوش کی باتیں کرنا ہوشمند انسان کے بس میں نہیں اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ جوانی کے اس نازک دور میں قدم رکھتے ہی اپنی زندیگلی مزل مقصود کا پوری سنجیدگی سے تعین کر چکے تھے۔ ایسے عالم میں عام نوجوانوں کے دل و دماغ ہی قابو میں نہیں ہوتے۔

بقول اقبالؒ:

؎ کشتی دل کے لیے سیل ہے عہد شباب

3- مقصدیت: جو لوگ کائنات کی تشکیل کو ایک حادثہ کہتے ہیں ان کی زندگی میں مقصدیت کا عنصر کیسے شامل ہو سکتا ہے؟ جب یہ دنیا ہی بلا مقصد ہے تو پھر دنیاوی خدائی صفت خلاقی کا معجزہ سمجھتے ہیں وہ اس کی حمت وغایت کے حامی ہیں۔ قرآن حکیم اپنے ماننے والوں کو مخاطب کر کے ان کے طرز فکر کی یوں ترجمانی کرتا ہے۔

"ربنا ما خلقت ھذا باطلا" (اے ہمارے پروردگار تو نے اس جہاں کو بے کار پیدا نہیں کیا) چودھری رحمت علیؒ کی تمام زندگی مقصدیت کے محور کے گرد گھومتی ہوئی نظر آتی ہے۔ اگر زندگی بامقصد نہ ہو تو پھر انسان جدوجہد اور جفا طلبی پر شیدائی نہیں ہوتا ان کی زندگی کا مقصد وحید پاکیزہ لوگوں کے لیے ایک وطن کا قیام تھا۔ اس مقصد کے لیے انہوں نے اپنا وقت پیسہ اور خدا داد ذہنی عطیات و بھی قربان کر کے ثابت کر دیا کہ با مقصد زندگی ہی ارفع و اعلیٰ اور حیات جاوداں کی ضامن ہوا کرتی ہے ان کے یہ الفاظ اس مقصدیت کی اہمیت کے مظہر ہیں۔

"Allah had assigned that fateful task to me; ... inspir by the sense of a divine mission...." (Ibid P. 223).

انہیں اپنے مقصد کی برتری اور تقدس کا پورا پورا احساس تھا۔ اس لیے وہ اس کے لیے ہر قسم کی تکلیف خندہ پیشانی سے برداشت کرتے ہوئے اپنی منزل مقصود کی جانب رواں دواں رہے۔

4- آزادی پسندی: آزادی کی تڑپ نے چودھری رحمت علیؒ کو ہمیشہ متحرک اور مس طرب رکھا۔ وہ اپنی زندگی کے ضروری تقاضوں کو اسلام اور ملت کی خدمت کے لیے قربان کر چکے تھے۔ ان کی زبردست خواہش یہی تھی کہ مسمان غیر اللہ کی غلامی سے نجات پا کر اسلام کے سچے

خادم بن جائیں تاکہ وہ بعد ازاں بنی نوع انسان کی ہیدات وفلاح کا اسلامی فریضہ ادا کرسکیں۔ وہ موت کو غلامی پر ترجیح دینے کے حامی تھے۔ وہ وطن میں بھی اور دیار غیر میں بھی حریت کا علم بلند کرتے رہے۔ زندگی ایک امتحان ہے یہ ہمیشہ رواں دواں اور ارتقاء پذیر رہتی ہے غلامی میں انسانی زندگی سمٹ جاتی ہے مگر آزادی میں یہ بحر بے کراں بن جا کرتی ہے چودھری رحمت علیؒ کا تصور آزادی علامہ اقبالؒ کے مندرجہ ذیل اشعار سے بخوبی واضح ہو جاتا ہے۔ علامہ اقبالؒ زندگی کے مختلف پہلوؤں کو بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

تو اسے پیمانہ امروز و فردا سے نہ ناپ ؎

جاوداں پیہم رواں' ہر دم جواں ہے زندگی

بندگی میں گھٹ کے رہ جاتی ہے اک جوئے کم آب

اور آزادی میں بحر بیکراں ہے زندگی

آشکار ہے یہ اپنی قوت تسخیر سے

گرچہ اک مٹی کے پیکر میں نہاں ہے زندگی

اسلام اور ملت کے ان دو بہی خواہوں کے خیالت میں بہت مطابقت دکھائی دیتی ہے بلاشبہ یہ دونوں ہمارے اسلامی فکر کے بہترین ترجمان تھے۔ چودھری رحمت علیؒ نے اپنا تصور اکستان پیش کرنے کے بعد اس کے بعد عملی جدوجہد کا قدم بھی اٹھایا تھا۔ وہ محض سیاسی مفکر ہی نہیں تھے بلکہ زبردست قوت عمل کے بھی مالک تھے۔ انہوں نے ''پاکستان نیشنل موومنٹ 1933ء'' میں جاری کر کے اپنی آزادی پسندی اور عمل پرستی کا بین ثبوت بہم پہنچایا تھا۔

چودھری رحمت علیؒ کے آخری ایام

چودھری رحمت علیؒ کی ساری زندگی جدوجہد کی حسین کہانی ہے۔ انہون نے زمانہ طالب علمی ہی سے اپنی سیاسی زندگی کا آغاز کر دیا تھا۔ تدریسی اور صحافتی مصروفیات کے باوجود بھی وہ قومی اور ملی کاموں کی طرف متوجہ رہے۔ انگلستان میں آنے کے بعد بھی انہیں قلمی اور لسانی جہاد سے فرصت نصیب نہ ہوئی یہاں آ کر تو ان کی قومی اور اسلامی سرگرمیوں میں بے پناہ اضافہ ہو گیا تھا جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ انہیں برطانوی امپریلزم کے اصل مرکز میں دن رات اپنے مقاصد کی تکمیل میں منہمک ہونا پڑا۔ انہوں نے پاکستان کے قیام کے سلسلے میں اپنے ذاتی آرام وصحت کی بھی پروا نہ کی۔ جسمانی عدم سکون اور دماغی کثرت کار نے انہیں بے خوابی کا شکار بنا دیا۔ علاوہ ازیں انہوں نے حصول آزادی وطن کی خاطر اپنے محدود مالی وسائل کو بھی خدمت وطن و دین کے لیے وقف کر دیا تھا۔ خدا تعالیٰ نے عزم راسخ، جفا طلبی، محنت شاقہ، مقصد کی لگن، خدمت وطن، حب اسلام اور حریت پسندی کی دولت سے نوازا تھا۔ جسم وجان کی لغتوں کے باوجود وہ اعلیٰ مقاصد حیات کو حال کرنے میں شب وروز محنت کرتے رہے آخر کار قدرت کے عالم گیر اور اٹل اصول

موت کے تحت وہ 3 فروری 1951ء کا انگلستان میں وفات پا گئے۔ ان کی آخری آرام گاہ کیمبرج کے عیسائی قبرستان میں ہے ان کی لوح مزار پر یہ عبارت اردو اور انگریزی میں کندہ ہے۔

"بسم اللہ الرحمٰن الرحیم لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ"

چودھری رحمت علیؒ ایم اے ایل ایل بی، بار ایٹ لاء کیمبرج، برطانی ہولد چودھری شاہ محمد مرحوم گوجر عمر 54 سال

تاریخ وفات 12 فروری 1951ء

بانی تحریک پاکستان، خالق لفظ "پاکستان"

"In memory of Ch. Rehmat Ali, M.A., LL.B.,

Bar -At Law Cambridge

s/o Haji shah Mohammad, Died 12th February,

1951. Aged 54 Years.

Bani - A - Tahrik - E - Pakistan

He created the name of Pakistan".

ان کے بھائی حاجی محمد علی ولد چودھری حاجی شاہ محمد چک نمبر 44/J-B فیصل آباد پاکستان نے ان کی قبر کی لوح پر یہ الفاظ تحریر کروا کے وہاں جانے والوں کے لیے ان کی قبر کو تلاش کرنے میں مدد دی ہے۔ کیمبرج کے قبرستان میں ان کی قبر کا نمبر B-8330 ہے۔ خدا تعالٰی ان کی قبر پر انوار کی رحمت کی بارش کرتا رہے۔ جس شخص نیا پنے وطن کی آزادی کے لیے ساری زندگی مجاہدانہ کوشش کی اسے آزادی وطن کیبعد بھی وہاں کوئی گوشہ عافیت نصیب نہ ہو

سکا۔ جو عظیم اور نیک انسان پاک نیشن، پاک پلان، پاک آئیڈیالوجی، اور پاکستان کے الفاظ کو وردِ زبان بنا چکا تھا اسے اپنے دیارِ پاک میں لا کر دفن کرنے کا ابھی تک بندوبست نہیں کیا گیا۔ کیا یہ ہماری قومی غفلت نہیں کہ ایسے محسنِ قوم اور پرستارِ پاکستان کے جسدِ خاکی کو پاک دھرتی میں کوءشیان شان ابدی آرام گاہ نہیں دی گئی؟ یہ عام خیال ہے کہ ان کی نعش کو ہاں انگریزوں نے لاوارث خیال کر کے امانت کے طور پر دفن کیا تھا۔ اگر ایسا خیال درست ہے تو ان کی نعش کو پاکستان میں لانے کا فوری اور خاطر خواہ انتظام کرنا چاہیے۔ کیا زندہ قومیں اپنے محسنوں اور بہی خواہوں کی موت کے بعد ان سے ایسا ہی سلوک روا رکھتی ہیں؟ کیا کئی سالوں کے بعد ملت اسلامیہ کے ایک نابغہ روزگار مسلمان مفکر اور لیڈر سید جمال الدین افغانی کی لاش کو وطن لا کر دفن نہیں کیا گیا تھا؟ کیا چند سال پیشتر مشرقی پاکستان کے ایک شیدائی بیرسٹر عباس مرحوم کی لاش انگلستان سے دور کراچی میں دفن نہیں کیا تھا؟ بیرسٹر عباس مرحوم ہماری سوسائٹی "مجلس اقبالؒ" کے متعدد اجلاسوں میں شرکت کر چکے تھے۔ وہ بنگلہ دیش بننے کے بھی بعد اسے مشرقی پاکستان ہی کہا کرتے تھے۔ وہ مدت تک انگلستان میں رہے مگر یہاں ان کی وفات کے بعد انہیں پاکستان میں آخری گوشہ عافیت دیا گیا ہے۔ یہ بہت اچھا حکومتی اقدام تھا۔ وطن و ملت کے شیدائی ایسے ہی قومی اعزاز کے مستحق ہوتے ہیں۔ امید واثق ہے کہ حکومت پاکستان اس ضمن میں کوئی فوری قدم اٹھا کر پاکستان کی غالب اکثریت کے پرانے اور جائز مطالبے کو ضرور پورا کرے گی۔

3, MUMBERSTONE ROAD,

CAMBRIDGE.

28th January. 1933.

Dear Sir.

1 am enclosing herewith an appeal on behalf of the thirty million Muslims of PAKSTAN, who live in the f Northern Units of India- Punjab, N.W.F.P. (Afghan Province), Kashmir, Sindh and Baluchistan, embodying their inexorable demand for the recogniti of their separate national status, as distinct from the rest of India, by the grant of a separate Federal Constitution on social, religious, political and historica

grounds.

May I venture to request you to acquaint me please with your valuable opinion as to the proposed solutio of this great Indian problem as explained herein.

I do hope and trust that, vitally interested as you are in the permanent solution of this problem, the objects outlined in the appeal will meet with your fullest approval and active support.

Yours truly,

RAHMAT ALI,

(Choudhary).

NOW OR NEVER

Are We to Live or Perish for Ever

At this solemn hour in the history of India, when Brit and Indian statesmen are laying the foundations of Federal Constitution for that land, we address th appeal to you. in the name of our common heritag on behalf of our thirty million Muslim brethren who li in PAKSTAN-by which we mean the five Northe

units of India, viz.: Punjab. North-West Fronti
Province (Afghan Province), Kashmir, Sind ar
Baluchistan-for your sympathy and support in our gri
and fateful struggle against political crucifixion ar
complete annihilation.

Our brave but voiceless nation is being sacrificed o
the altar of Hindu Nationalism not only by th
non-Muslims, but to the lasting disgrace of Islam,
our own so-called leaders, with reckless disregard
our future and in utter contempt of the teachings
history.

The Indian Muslim Delegation at the Round Tab
Conference have comrnitted an inexcusable ar
prodigious blunder. They have submitted, in the nar
of Hindu Nationalism, to the perpetual subjection
the ill-starred Muslim nation. These leaders hav
already agreed, without any protest or demur ar
without any reservation, to a Constitution based on th
principle of an All-India Federation. This, in essenc

amounts to nothing less than signing th death-warrant of Islam and its future in India. In doi so, they have taken shelter behind the so-calle Mandate from the community. But they forgot th suicidal Mandate was framed and formulated by th own hands. That Mandate was not the Mandate of t Muslims of India. Nations never give Mandates to th representatives to barter away their very soul; ar men of conscience never accept such self-annihilati Mandates, if given-much less execute them. At a ti of a crisis of this magnitude, the foremost duty saving statesmanship is to give a fair, firm ar fearless lead, which, alas, has been persistent denied to eighty millions of our so-religionists in Inc by our leaders during the last seventy-five years These have been the years of false issues, of lo opportunities and of utter blindness to the mo essential and urgent needs of the Muslim interest Their policy has throughout been nerveless in actio

and subservient in attitude. They have all along bee paralysed with fear and doubt, and have deliberate time and again, sacrificed their political principles f the sake of opportunism and expediency. To do s even at this momentous juncture is a policy Bedlam. It is idle for us not to look this tragic truth the face. The tighter we shut our eyes, the harder th truth will hit us.

At this critical moment, when this tragedy is bei enacted, permit us to appeal to you for your practic sympathy and active support for the demand of separate Federation-a matter of life and death for th Muslims of India-as outlined and explained below.

India, constituted as it is at the present moment, is n the name of one single country ; nor the home of on single nation. It is, in fact, the designation of a Sta created for the first time in history, by the British. includes peoples who have never previously form part of India at any period of its history ; but who hav

on the other hand, from the dawn of history till th advent of the British, possessed and retained distin nationalities of their own.

In the five Northern Provinces of India, out of a to population of about forty millions, we, the Muslim constitute about thirty millions. Our religion, cultur history, tradition, economic system, laws inheritance, succession and marriage are basical and fundamentally different from those of the peop living in the rest of India. The ideals which move c thirty million brethren-in-faith living in these Provinc to make the highest sacrifices are fundamenta different from those which inspire the Hindus. The differences are not confined to the broad bas principles-far from it. They extend to the minute details of our lives. We do not inter-dine; we do n inter-marry. Our national customs and calendars, eve our diet and dress are different.

It is preposterous to compare, as some superfic

observers do, the differences between Muslims a
Hindus with those between Roman Catholics a
Protestants. Both the Catholics and Protestants a
part and parcel of one religious system-Christianit
while the Hindus and Muslim are the followers of t
essentially and fundamentally different religiou
systems. Religion in the case of Muslims and Hind
is not a matter of private opinion as it is in the case
Christians; but on the other hand constitutes a Civ
Church which lays down a code of conduct to b
observed by their adherents from birth to death.

If we, the Muslims of Pakstan. with our distinct ma
of nationality, are deluded into the proposed India
Federation by friends or foes, we are reduced to
minority of one to four. It is this which sounds th
death-knell of the Muslim nation in India for ever. T
realise the full magnitude of this impendin
catastrophe, let us remind you that we thirty millio
constitute about one-tenth of the whole Muslim wor

The total area of the five units comprising PAKISTA which arc our homelands, is four times that of Ita three times that of Germany and twice that of Franc arid our population seven times that of th Commonwealth of Australia, four times that of t Dominion of Canada, twice that of Spain, and equal France and Italy considered individually.

These are facts-hard facts and realities-which w challenge anybody to contradict. It is on the basis these facts that we make bold to assert without t least fear of contradiction that we, Muslims PAKISTAN, do possess a separate and distin nationality from the rest of India, where the Hin nation lives and has every right to live. We, therefor deserve and must demand the recognition of separate national status by the grant of a separat Federal Constitution from the rest of India.

In addressing this appeal to the Muslims of India, are also addressing it to the two other grea

interests-British and Hindu-involved in the settleme of India's future. They must understand that in o conviction our body and soul are at stake. Our ve being and well-being depends upon it. For our fiv great Northern states to join an All-India Federatio would be disastrous, not only to ourselves, but to eve other race and interest in India, including the Britis and the Hindu.

This is more especially true when there is a just a reasonable alternative to the proposed settlemen which will lay the foundations of a peaceful future f this great sub-continent; and should certainly allow the highest development of each of these two peopl w ithout one being subject to another. This alternati is a separate Federation of these fivepredominantly Muslim units-Punjab, North-West Frontier Provin (Afghan Province). Kashmir, Sind and Baluchista The Muslim Federation of North-West India wou provide the bulwark of a buffer state against ar

invasion either of ideas or of arms from outside. Th creation of such a federation would not materia disturb the ratio of the Muslim and Hindu population the rest of India. It is wholly to the interest of Briti and Hindu statesmanship to have as an ally a fre powerful and contented Muslim nation having a simi but separate Constitution to that which is bein enacted for the rest of India. Nothing but a separa Federation of our homelands would satisfy us. Th demand is basically different from the suggestion p forward by Doctor Sir Muhammad Iqbal in h Presidential address to the All-India Muslim League 1930. While he proposed the amalgamation of the Provinces into a single state forming a unit of th All-India Federation, we propose that these Provinc should have a separate Federation of their own. The can be no peace and tranquillity in the land if we, th Muslims, are duped into a Hindu-dominate Federation where we cannot be the masters of o

own destiny and captains of our own souls.

Do the safeguards provided for in the Constitution gi us any scope to work for our salvation along our o lines? Not a bit. Safeguard is the magic word wh holds our leaders spellbound, and has dulled the consciences. In the ecstasy of their hallucinations th think that the pills of safeguards can cur nation-annihilating earthquakes. Safeguards asked f by these leaders and agreed to by the makers of th Constitution can never be a substitute for the loss separate nationality. We. the Muslims, shall have fight that course of suicidal insanity to death. Wh safeguards can be devised to prevent our minority one in four in an All-India Federal ion from bei sacrificed on even7 vital issue to the aims a interests of the majority race, which differs from us every essential of individual and corporate life? Wh safeguards can prevent the catastrophe of the Musl nation smarting and suffering eternally at th

frustration of its every social and religious ideal? Wh safeguards can compensate our nation awakened its national consciousness for the destruction of i distinct national status? However, effective ar extensive the safeguards may be. the vital organs a proud symbols of our national life, such as a rim ar navy, foreign relations, trade and commerc communications, posts and telegraphs, taxation a customs, will not be under pur control, but will be the hands of a Federal Government, which is bound be overwhelmingly Hindu. With all this, how can the Muslims, achieveany of our ideals if those ideal conflict-conflict as they must with the ideals of Hindus?

The history of the last century, in this respect, is full unforgettable lessons for us. Even one who runs m read them. To take just one instance: Despite all the safeguards and guarantees we have enjoyed in th past, the very name of our national language-URD

even now the lingua franca of that grea sub-continent-has been wiped out of the list of Indi languages. We have just to open the latest cens report to verify it. This by itself is a tragic fall. Are w fated to fall farther? But that too is dust in the scal by comparison with the tremendous national issu involving our whole future as a nation and a power n only in India but also in the whole of Asia.

In the face of these incontrovertible facts, we a entitled to ask for what purpose are we being asked make the supreme sacrifice of surrendering o nationality and submitting ourselves and our poste to Non-Muslim domination? What good is likely accrue to Islam and Muslims by going into t Federation is a thing which passes our understandin Are we to be crucified just to save the faces of o leaders, or to bolster up the preposterous falseho that India can be a single nation? Is it with a view achieve [sic] a compromise at all costs, or is it

support the illusion that Hindu nationalism is worki in the interests of Muslims as well as Hindus? Irony flattered to death by a mental muddle of such a natu and on such a scale. We have suffered in the pa without a murmur and faced dangers without dem The one thing we would never suffer is our ov self-strangulation. We will not crucify ourselves up the cross of Hindu nationalism in order to make Hindu-holiday.

May we be permitted to ask of all thos statesmen-Muslim or British or Hindu-supporting t Federal Constitution, if it is really desirable to mal our nation sacrifice all that Islam has given us duri the last fourteen hundred years to make India nation? Does humanity really stand lo gain by th stupendous sacrifice? We dare say that still in Isla the ancient fire glows and promises much for th future, if only the leaders would let it live. Whilst Europe, excluding Russia, in about the same area

that of India and with about the same populatio[n] there live and prosper as many as twenty-six nation[s] with one and the same religion, civilisation a[nd] economic system, surely it is not only possible b[ut] highly desirable for two fundamentally different a[nd] distinct nations, i.e., Muslim and Hindu, to live friendly neighbours in peace and prosperity in th[at] vast sub-continent. What bitter irony is it that o[ur] leaders have not the courage to stand up and dema[nd] the minimum for our political salvation.

We are face to face with a first-rate tragedy, the like which has not been seen even in the long a[nd] eventful history of Islam. It is not the question of a s[ect] or of a community going down; but it is the supre[me] problem which affects the destiny of the whole Islam and the millions of human beings who, till q[uite] recently, were the custodians of the glory of Islam India and the defenders of its frontiers. We have a s[till] greater future before us, if only our soul can be sav[ed]

from the perpetual bondage of slavery forged in a All-India Federation. Let us make no mistake about The issue is now or never. Either we live or perish f ever. The future is ours only if we live up to our faith. does not lie in the lap of the gods, but it rests in o ownt hands. We can make or mar it. The history of t last century is full of open warnings, and they are a plain as were ever given to any nation. Shall it be sa of us that we ignored all these warnings and allow our ancient heritage to perish in our own hands?

MOH.D ASLAM KHAN, RAHMATALI,

(Khattak). . (Choudharv).

President, Khyber Union.

SHEIKH MOHD SADIQ, INAYAT ULLAH KHAN,

(Sahibzada). (of Charsaddah).

Secretary, Khyber Union.

3 ہمبر سٹون روڈ،

کیمبرج

28 جنوری 1933ء

محترم من! میں انڈیا کی پانچ وحدتوں ——— پنجاب، شمالی مغربی سرحدی صوبہ (افغان صوبہ)، کشمیر، سندھ اور بلوچستان ——— یعنی پاکستان کے تیس ملین (تین کروڑ) مسلمانوں کی طرف سے اس کے ساتھ ایک اپیل منسلک کر کے بھیج رہا ہوں جسمیں بقیہ انڈیا سے ان کی جداگانہ اور ممیز قومی مرتبے کی شناخت کا سخت مطالبہ شامل ہے۔ جداگانہ وفاقی آئین کی رو سے سماجی، مذہبی، سیاسی اور تاریخی بنیادوں پر انہیں مختلف قومی مقام دیا گیا ہے۔

کیا میں آپ سے یہ درخواست کرنے کی جسارت کرسکتا ہوں کہ آپ ازراہ کرم اس پمفلٹ میں بیان کردہ عظیم انڈین مسئلہ کے مجوزہ حل کے بارے میں مجھے اپنی قیمتی رائے سے

آگاہ فرمائیں؟

مجھے امید اور بھروسہ ہے کہ اس مسئلہ کے مستقل حل میں بہت زیادہ دلچسپی رکھنے کے باعث اس اپیل میں مذکورہ مقاصد کو آپ پوری منظوری اور عملی تائید ضرور حاصل ہوگی۔

آپ کا تابعدار

رحمت علی چوہدری

ناشر

پاکستان نیشنل موومنٹ

انگلستان کا پتہ: 16 مانٹیگو روڈ، کیمبرج

ان اللہ یغیر ما بقوم حتی یغیر و ما بانفسھم (قرآن)

(بے شک اللہ کسی قوم کی حالت اس وقت تک تبدیل نہیں کرتا جب تک اس قوم کے افراد اپنے نفوس (باطن) میں پہلے تبدیلی پیدا نہ کریں۔)

گول میز کانفرنس میں شرکت کرنے والے انڈین مسلم وفد کے ارکان نے نا قابل معافی اور بہت بڑی فاش غلطی کی ہے۔ انہوں نے ہندو قومیت کے نام پر بدقسمت مسلمان قوم کی دائمی غلامی کے سامنے سر تسلیم خم کر دیا ہے۔ ان لیڈروں نے کسی احتجاج، پس وپیش اور شرط کے بغیر پہلے ہی آل انڈیا فیڈریشن کے اصولوں پر اتفاق کر لیا ہے۔ دراصل یہ انڈیا میں اسلام اور اس کے مستقبل کے پروانہ موت پر دستخط کرنیکے مترادف سے م نہیں۔ ایسا کرنے میں انہوں نے اپنی قوم کے نام نہاد حق وکالت کے پیچھے پناہ لی ہے۔ لیکن انہوں نے یہ فراموش کر دیا ہے کہ خودکشی پر مبنی یہ حق وکالت انہوں نے یہ فراموس کر دیا ہے کہ خودکشی پر مبنی یہ حق وکالت انہوں نے اپنے ہاتھوں سے ہی تشکیل دیا ہے۔ یہ حق وکالت مسلمانان ہند کا دیا ہو حق وکالت نہیں تھا۔ قومیں اپنے نمائندوں کو کبھی اپنی روحون کا ادل بدل کرنے کے لیے حق نمائندگی نہیں دیا کرتی باضمیر لوگ کبھی اپنی ہتی کو بابادکرنے والے حق نمائندگی کو قبول نہیں کرتے اور نہ ہی وہ انہیں عملی جامہ پہناتے ہیں۔ اس طرحکے عظیم بحران کے وقت نجات دلانے والے بدبرین کا عظیم فریجہ مناسب، مضبوط اور بے باک قیادت عطا کرنا ہے۔ افسوس ہے کہ گذشتہ پچھتر سالوں (پون صدی) میں ہماری لیڈروں نے انڈیا میں اپنے آٹھ کروڑ ہم مذہبوں کو ایسی قیادت سے مسلسل محروم کیا ہوا ہے۔ یہ گذشتہ سال غلط مسائل، کوھئے ہوئے مواقع اور مسلمانوں کے مفادات کی بنیادی اور آخر عملی لحاظ سے کمزور اور رویے کی رو سے غلامانہ رہی ہے۔ اس لیے انہوں نے ہمیشہ خوف اور شک سے مفلوج ہو کر دیدہ ودانستہ بار بار ابن الوقتی اور مصلحت پرستی کی خاطر اپنے سیاسی اصولوں کو قربان کیا ہے۔ اس اہم موڑ پر بھی ایسا کرنا پاگل پن کی پالیس ہے۔ اس المناک حقیقت کا سامنہ نہ کرنا ہمارے لیے بے کار ہے۔ جس قدر زیاد مضبوطی سے ہم اپنی

آنکھوں کو بند کردیں گے اسی قدر اس حقیقت سے ہم کو شدید چوٹ لگے گی۔

اس نازک وقت پر جبکہ یہ المیہ بروئے کار لایا جارہا ہے۔آپ ہمیں جداگانہ وفاق کے ہمارے مطالبہ کے بارے میں اپنی عملی ہمدردی اور پر جوش حمایت کے لیے اپیل کرنے کی اجازت دیں۔جداگانہ فیڈریشن (وفاق) کا مطالبہ انڈیا کے مسلمانوں کے لیے زندگی اور موت کا معاملہ ہے جس کی ذیل میں وضاحت کی جاتی ہے۔

انڈیا کی موجودہ ساتکسی ایک ملک یا کسی ایک قوم کے وطن کا نام نہیں ہے۔دراصل یہ ایک مملکت (اسٹیٹ) کا نام ہے جسے تاریخی طور پر سب سے پہلے برطانوی حکمرانوں نے تخلیق کیا ہے۔اس میں وہ اقوام شامل ہیں جنہوں نے تاریخ کے کسی دور میں اسے پہلے کبھی بھی انڈیا کے حصے کی تشکیل نہیں کی ہے لیکن اس کے برعکس انہوں نے آغاز تاریخ سے لے کر برطانوی حکومت کے ظہور تک اپنی اپنی ممیز قومیتوں کو برقرار رکھا تھا۔

انڈیا کے پانچ شمالی صوبوں میں تقریباً چار کروڑ کی کل آبادی میں ہم تین کروڑ مسلمان شامل ہیں ہم اپنے مخصوص مذہب، کلچر، تاریخ، روایات، اقتصادی نظام، وراثت نانشینی اور شادی بیاہ کے قوانین کی رو سے انڈیا کے باقی حصے میں مقیم لوگوں سے بنیادی طور پر مختلف ہیں۔ ان صوبوں میں رہنے والے ہمارے تین کروڑ ہم مذہب بھائیوں کو عظیم ترین قربانیوں پر ابھارنے والے نصب العین ہندوؤں کے ان مقاصد سے اساسی طور پر مختلف ہیں جو ان کے اندر جوش وخروش پیدا کیا کرتے ہیں۔ یہ اختلافات وسیع البنیاد اصولوں تک ہی محدود نہیں ہیں بلکہ ان کا دائرہ اثر ہماری زندگیوں کی چھوٹی چھوٹی تفاصیل تک پھیلا ہوا ہے۔ہم ہندوؤں کے ساتھ مل کر کھانا نہیں کھاتے اور نہ ہی ان کے ساتھ شادیاں کرتے ہیں۔ ہماری قومی رسومات، ہماری کیلنڈر، ہماری خوراک اور لباس بھی مختلف ہیں۔

یہ ایک بیہودہ اور لغو بات ہے کہ بعض سطحیت پسند مبصرین مسلمانوں اور ہندوؤں کے ان باہمی اختلافات ارومن کیتھولک اور پروٹسٹنٹ لوگوں کے اختلافات کے اتھ موازنہ کرتے ہیں۔ رومن کیتھولک اور پروٹسٹنٹ لوگ ایک ہی مزہبی نظام یعنی عیسائیت کا جز و لانیفک ہیں جبکہ ہندو اور مسلمان فی الحقیقت بنیادی طور پر دو مختلف مذہبی نظاموں کے پیروکار ہیں۔ عیسائیوں کی طرح ہندو وا ور مسلما اپنے اپنے مذہب کو ذاتی رائے کا معاملہ خیال نہں کرتے ہیں بلہ اس کے علم الرغم مذہب ایک ایسا تمدنی نظام تشکیل کرتا ہے جو اپنے متعبین کے لیے پیدائس سے لے کر موت تک کے معالے پر عمل ہونے کا طریق وضع کرتا ہے۔

اگر پاکستان کے ہم مسلمانوں کو اپنے واضح قومی نشانات کے باوجود ہمارے دوستوں اور دشمنوں نے ہمیں سبز باغ دکھا کر مجوزہ انڈین فیڈریشن میں شامل کر لیا تو پھر ہم ایک چوتھائی اقلیت می تبدیل ہو جائیں گے۔ یہی بات انڈیا میں مسلمان قوم کے نام ہمیشہ کے لیے پیام اجل لائے گی۔ ہمارے سروں پر منڈلانے والی اس عظیم آفت کو محسوس کرتے ہوئے ہم آپ کو یہ یاد دلاتے ہیں کہ ہم تین کروڑ انسان سارے عالم اسلام کا دسواں حصہ بنتے ہیں۔ پاکستان پر مشتمل پانچ یونٹوں کی حامل ہماری سرزمین کا مجموعی رقبہ اٹلی سے چار گناہ، جرمنی سے تین گنا اور فرانس سے دوگنا ہے اور ہماری آبادی آسٹریلیا کی کامن ویلتھ سے سات گنا اور فرانس سے دو گنا، کینیڈا کی ڈومینین سے چار گنا، پسی سے دوگنا اورا کیلے فرانس اور اٹلی کے برابر ہے۔ یہ ہیں وہ ٹھوس حقائق جنہیں جھٹلانے کے لیے ہم ہر ایک کو عوت دیتے ہیں۔ ان حقیقتوں کی بنا ید پر ہم تردید کے ذرا بھی ڈر کے بغیر اسبات کو بڑے وثوق سے بیان کرتے ہیں کہ پاکستان کے ہم مسلمان ایک ایسی الگ اور واضھ قومیت کے حامل ہیں جو بقیہ ہندوستان سے مختلف ہے۔ جہاں پر ہندو سکونت پذیر ہیں۔ اور جہاں انہیں زندگی گذارنے کا ہر حق حاصل ہے۔ اس لیے

بقیہ ہندوستانکو چھوڑ کر ہم ایک الگ وفاقی آئین (فیڈرل کانسٹی ٹیوشن) کی رو سے ایک جداگانہ قومی مرتبہ کو تسلیم کروانے کے حقدار ہیں اور ہمیں اس کا مطالبہ بھی کرنا چاہیے۔

ہماری یہ اپیل صرف اسلامیان ہند تک محدود نہیں بلکہ دوسرے دو بڑی مفادات یعنی برطانوی حکمرانوں اور ہندوؤں سے بھی ہے جو انڈیا کے مستقبل کے حل میں شامل ہیں۔ انہیں اس امر کا ضرور ادارک کرنا چاہیے کہ ہمارے اعتقاد کی رو سے ہمارا جسم اور وروح معرض خطر میں ہیں۔ اس بات پر ہمارے وجود اور ہماری فلاح کا دارومدار ہے۔ آل انڈیا فیڈریشن میں ہماری پانچ عظیم شمالی ریاستوں کی شملویت نہ صرف ہمارے لیے بلکہ انڈیا کی ہر ایک دوسری قوم اور گروہ کے لیے بھی تباہ کن ہوگی۔ اس سے انگریز اور ندو بھی نہ بچ سکیں گے۔ یہ اس وجہ سے بھی خاص طور پر زیادہ درست ہے کہ اس مجوزہ حل کا ایک منصفانہ اور معقول متبادل موجود ہے جو اس عظیم برصغیر کے پرامن مستقل کی بنیادی ڈالے گا۔ اس متبادل طریق کار سے یقیناً ان دونوں قوموں (ہندو اور مسلمان) وایک دوسے کا غلام بنائے بغیر اعلیٰ ترقی کا موقع ملنا چاہے۔ یہ دوسرا چارہ کار غالب اکثیرت کی پانچ مسلم یونٹوں پنجاب، شمال مغربی سرحدہ صوبہ (افغان صوبہ)، کشمیر، سندھ اور بلوچستان کے جداگانہ وفاق (فیڈریشن) سے متعلق ہے۔ شمال مغربی انڈیا کا یہ مسلم وفات باہر سے نظریات یا ہتھیاروں کے حملے کے خلاف ایک حدفاص ریاست کی حیثیت سے قلعہ ثابت ہوگا۔ سرزمین ہند میں امن اور سکون وجود نہیں ہوسکتا اگر ہم مسلمانوں کو ہندوؤں کی اکثیرت پر مبنی ادفیڈریشن میں دھوکہ سے شامل کیا جائے جہاں ہم اپنی تقدیر کے مالک اور اپنی روحوں کے محافظ قائد نہ بن سکیں۔

کیا آئین میں دئی گے تحفظات ہمیں اپنے لائحہ عمل کے مطابق اپنی نجات کے لیے کام کرنے کی گنجائش مہیا کر سکتے ہیں؟ ذرا برابر بھی نہیں۔ تحفظ ایک ایسا طلسماتی لفظ ہے جو ہمارے

لیڈروں کو مسحود بنا دیتا ہے اور جس نے ان کے ضمیروں کو کند کر دی اہے۔ اپنے پر فریب خلایات کی سرمستی میں وہ سمجھتے ہیں کہ تحفظات کی گولیاں قوم کی نیست و نابود کرنے والے زلزلوں کا علاج کرسکتی ہیں۔ ان لیڈروں کے وہ طلب کردہ تحفظات جن پر آئین وضع کرنے والوں نے اتفاق کرلیا ہے کبھی جداگانہ قومیت کے زیاں کا بدل نہیں ہو سکتے ہیں۔ ہم مسلمانوں کو خودکشی پر مبنی جنون کے اس طریق کے خلاف جنگ کرنی پڑے گی جو موت کی طرف لے جاتا ہے۔ آل انڈیا فیڈریشن میں ہماری ایک چوتھائی اقلیت کو روکنے کے لیے کون سے تحفظات سوچے جاسکتے ہیں جو اکثیرت کی حامل قوم اغراض و مفادات سے متعلق ہر ایک اہم نزاع پر ہمیں قبران ہونے سے بچا سکیں۔ یہ اکثریتی قوم انفرادی اور اجتماعی زندگی کے تمام لوازمات میں ہم سے مختلف ہے۔ اپنے ہر ایک سماجی اور مذہبی نصب العین کی شکست سے ہمیشہ تکلیف اٹھانے والی مسلمان قوم کی ہلاکت کو کون سے تحفاظات روک سکتے ہیں؟ اپنے نمایاں قومی مرتبنے کی تباہی کے قومی شوعر کی بیداری کی حامل ہماری قوم کی تلافی کون سے تحفظات کرسکتے ہیں؟ تحفظات خواہ کتنے موثر اور وسیع کویں نہ ہوں ہماری قومی زندگیکے اہم انحصار اور قابل فخر علامت مثلاً آرمی (فوج)، نیوی (بحریہ، خارجہ تعلقات، تجارت و معیشت، مواصلات، ڈاک اور تار، ٹیکس اور کسٹمز (وفاقی حکومت) کے ہاتھوں میں ہوگی جو زیادہ تر ہندوؤں پر مشتمل ہے۔ ان سب کے باجود ہم مسلمان اپنے ان نصبالعینی امور کو کیسے حاصل کرسکتے ہیں اگر وہ ہندوؤں کے اعلیٰ مقاص سے متصادم ہوں؟ یہ تصادم تو لازمی ہوگا۔ (باہمی ہندو مسلم اختلاف کے باعث۔)

اس سلسلے میں گذشتہ صدی کی تاریخ ہمارے لیے ناقابل فراموش اسباق سے بھری پڑی ہے۔ ہر حرکتم کرنے والا انسان ان اسباق کو پڑھ سکتا ہے۔ میں یہاں ایک مثال پیش کرتا ہوں۔ ماضی میں ہمیں دی گئی ان تمام حفاظتوں اور ضمانتوں کے باوجود ہماری قومی زبان اردو

جواب بھی اس عظیم برصغیر میں ہر جگہ بولی جاتی ہے، کا نام ہندوستانی زبانوں کی فہست مٹا دیا گیا۔اس بات کی تصدیق کرنے کے لیے ہمیں صرف مردم شمار کی تازہ رپورٹ کو کھنلان ہوگا۔

یہ امر بذات خود ایک المناک زوال ہے۔کیا ہماری قمست میں مزید زوال لکھا ہوا ہے؟ نہ صرف انڈیا بلکہ سارے ایشیا میں طاقت اور ایک قوم کیحیثیت سے ہمارے تمام مستقبل سے وابستہ عظیم قومی مسائل کے مقابل ہ میں یہ بات ترازو میں خاک کے برابر درجہ رکھتی ہے۔

ان نا قابل بحث حقائق کے پیش نظر ہم یہ سوال کرنے میں حق بجانب ہیں کہ کس غرض کے لیے ہمیں کہ کہا جاتا ہے کہ ہم اپنی قومیت، اپنے آپ اور اپنی آئندہ نسل کو غیر مسلم غلبلہ کے حوالے کرنے کی عظیم قربانی دیں؟ ہماری سمجھ میں یہ بات نہیں آتی کہ انڈین فیڈریشن میں ضم ہونے سے اسلام اور مسلمانوں کو کیا فائدہ ہونے کا امکان ہے؟ کیا ہمیں اس لیے صلیب پر لٹکایا جارہا ہے کہ ہم اپنے لیڈروں کی عزت کو بچائیں یا ہم اس نامعقول جوھٹ کو سہارا دیں کہ انڈیا ایک قوم کا حامل ہوسکتا ہے؟ کیا ہر قیمت پر سمجھوتہ حاصل کرنا مدنظر ہے یا اس فریب نگاہ کی حمایت کرنا ہے کہ ہندو نیشنلز مسلمانوں اور ہندوؤں کے مفادات کے لیے کام کر رہی ہے؟ اتنے بڑے پیمانے پر اس قستم کی دماغی بدنظمی سے جنم لینے والی ستم ظریفی کی بہت زیادہ داد دینہ پڑتی ہے۔ ماضی می ہم نے کسی بڑا بڑاہٹ کے بغیر تکالیف اٹھائی ہیں اور کسی پس وپیش کے بغیر خطرات کا سامنا کیا ہے۔جس چیز کو ہم کبھی برداشت نہیں کریں گ وہ اپنے ہاتھوں میں اپنا گلا دبانا ہے۔ ہندوؤں کی چھٹی کا سماں پیدا کرنے کی خاطر ہم ہندو نیشنلز کی خاطر اپنے آپ کو ہرگز مصلوب نہیں ہونے دیں گے۔

کیا ہمیں فیڈرل آئی کے حامی سب مسلمان انگریز اور ہندو سیاست دانوں سے یہ سوال پوچھنے کی اجازت ہے۔کیا یہ واقعی مناسب ہے کہ انڈیا کو ایک قوم بنانے کے لیے ہم اپنی

قوم سے وہ سب کچھ قربان کروادیں جو اسلام نے ہمیں گذشتہ چودہ سو سال میں عطا کیا ہے؟ کیا اس عظیم قربانی سے فی الحقیقت انسانی کو کچھ فائدہ پہنچے گا؟ ہم یہ کہنےکی جسارت کرتے ہیں کہ ابھی تک اسلام میں قدیم آگ روشنہے اور یہ تابناک مستقبل کی امید دلاتی ہے بشرطیکہ صرف ہمارے لیڈر اسے زندہگ رہنے دیں۔ روس کو نکال کر یورپ میں انڈیا جیسے بڑے علاقے میں اور اتنی ہی آبادی کے ساتھ یکساں مذہب یکستاں تہذیب اور یکساں اقتصادی نظام کی حام تقریباً چھبیس قومیں زندگی گذارتی ہیں اور وہ خوشحال ہیں۔ یہ نہ صرف ممکن ہے بلکہ بہت زیادہ مناسب ہے کہ بنا یدطور پر دو مختلف اور ممیز قومیں (مسلمان اور ہندو) اس وسیع برصغیر میں امن اور خوشحالی کے ساتھ دو دوست ہمسایوں کی حیثیت سے زندگی بسر کریں۔ یہ کتنی ستم ظریفی ہے کہ ہمارے لیڈروں میں کھڑا ہو کر ہماری سیاسی نجات کے لیے کم از کم ایک چیز کا مطالبہ کرنے کی جرات نہیں۔

ہم درجہ اول کے المیہ کا سامنا کر رہے ہیں جس کی مثال اسلام کی طویل اور پر حوادث تاریخ میں نہیں دیکھی گئی۔ یہ کسی فرقے یا کسی گروہ کے زوال کا سوال نہیں بلکہ یہ ایک اہم سمئلہ ہے جو سارے اسلام اور ان لاکھوں انسانوں کی تقدیر پر اثر انداز ہوتا ہے جو کچھ عرصہ پہلے انڈیا میں اسلامی شان و شوکت کے رکھوالے اور اس کی سرحدوں کے محافظ تھے۔ اگر آل انڈیا فیڈریشن سے منسلک غلامی کے ابدی بندھ سے ہماری روح محفوظ ہو سکے تو اب بھی ہمارے سامنے عظیم تر مستقبل ہے۔ آیئے ہم اس ے بارے میں کوئی غلنہ نہ کریں مسئلہ ہے اب یا کبھی نہیں۔ یا تو ہم زندہ رہیں گے یا ہم ہمیشہ کے لیے مٹ جائیں گے۔ اگر ہم صرف اپنے مذہب کے مطابق عمل کریں تو پھر مستقبل ہمارا ہے۔ ہماری یہ قسمت دیوتاؤں کی آغوش کے مطابق عمل کریں تو پھر مستقبل ہمارا ہے۔ ہم اس تقدیر کو بنا بھی سکتیں اور اسے خراب بھی کر سکتے ہیں۔

گذشتہ صدی کی تاریخ واضح تنبیہات سے بھرپور ہے۔ اور یہ تنبیہات بالکل ایسی ہی واضح ہیں جیسی کہ کسی قوم کو دی گئی تھیں۔ کیا ہمارے متعلق یہ کہا جائے کہ ہم نے ان تمام تنبیہات کو نظر انداز کر کے اپنے قدیم ورثے کو اپنے ہی ہاتھوں ہی میں ختم ہو جانے دیا؟

محمد اسلم خاں (خٹک)، صدر، خیبر یونین

شیخ محمد صادق (صاحبزادہ)

رحمت علی چوہدری

عنایت اللہ خاں (آف چارسدہ)، سیکرٹری، خیبر یونین

چودھری رحمت علیؒ

کے

منتخب اقوال

چودھری رحمت علیؒ کے منتخب اقوال

مندرجہ ذیل اقوال ان کی کتاب "Pakistan Fatherland of the Pak Nation" سے ماخوذ ہیں:

1933 کے سال میں میں نے سب سے پہلے پاکستان کا آل انڈیا فیڈریشن میں شامل کرنے کے خلاف جنگ کا آغاز کیا تھا اور اسے ایک جداگانہ اور خودمختار مملکت تسلیم کروانے کے لیے جدوجہد کی تھی۔ (دیباچہ)

''پاکستان کے مقصد کے آکری فتح یقینی ہے۔ اور اس فتح سے پاکستان میں ہماری قومی زندگی اور پاک ایشیاء میں ہماری ملت کی حیات کی عظمت کا ایک نیا باب کھل جائے گا۔''

(ص 7)

''پاکستان مشرق کے قدیم ترین اور مشہور ترین ملکوں میں سے ایک ملک ہے۔ یہ دنیا کا واحد ملک ہے جو اپنی قدیم روایات، حکایات، تاریخی نوعیت اور تاریخ ساز توقعات کی حیثیت سے عراق اور مصر کا مقابلہ کرتا ہے۔ عراق اور مصر کے ممالک کو عموماً بنی نوع انسان کے نمایاں کارناموں کا گہوارہ کہا جاتا ہے۔'' پہلا باب ص 21)

''پاکستان کو براعظم دینیہ کے ملکوں کے بہت زیادہ وسیع اور مختلف علاقوں پر آٹھ سو چالیس سال 1017ء سے 1857ء تک دل ونظر کو تابناکی عطا کرنے والی فوقیت حاصل رہی ہے۔ دنیا میں بمشکل ہی کوئی ایسا ملک ہے جس کو یہ ساکھ نصیب ہوئی۔'' (پہلا باب ص 26)

''28 جنوری 1933ء میں میں نے اپنے اولین اعلان ''اب یا کبھی نہیں'' میں انڈیا سے اس کی علیحدہ کا مطلابہ کرتے ہوئے لفظ پاکستان کا استعمال کیا تھا جو اللہ کی رضا اور اس کے رسول کی برکت سے ایک قومی نام کے تحت قومی استحکام کے لیے اس کے باشندوں کے بنیادی حق کے دوام کا باعث بنا۔ (پہلا باب ص 24)

''مغربی سامراج کی مجوزہ اور بے روح پالیسی اپنی رعایا کو اپنے لے چون تراشو اور ماشیکوں کا گروہ بنانا ہے۔ ایسی پالیس کو نافذ کرنے کے لیے مغربی سامراج انہیں صرف خام مال پیدا کرنے والے اور اس کی بنائی ہوئی مصنوعات کے صارفین کے درجے تک گرا دیتا ہے۔ اس طرح یہ سامراج ان کی زندگیوں کو اپنے چنگل میں لے آتا ہے تاکہ ایک طرف یہ اپنیآپ کو

امیر اور اپنے حقوق یافتہ مرتبے کو طویل بنا سکے اور سعد رے طرف اپنی رعایا کو غربت اور طول محکومیت کا شکار بنا لے۔"

"مسلم اقلیتیں جن چھ علاقوں کی حق دار ہیں ان کے نام یہ ہیں دکن میں عثمانستان، بندھیل کھنڈ اور مالودہ میں صدیقستان، بہار اور اڑیسہ میں فاروقستا، ہندوستان، (آگرہ اور اودھ کے متحدہ صوبہ جات) میں حیدرستان راجستھان میں معینستان اور صوبہ مدارس میں ماپلستان۔" (ص123)

"ان واقعات میں سے پہلا واقعہ 711ء میں رونما ہوا جبکہ دیبل پر قابض ہونے کے بعد پاک لوگوں نے مارشل محمد قاسمکی زیر قیادت حیدر آباد پر چڑھائی کی خاطر ایک فیصلہ کن فتح حاصل کی۔ اس فتح کی بدولت انہوں نے پاکستان اور دینیہ میں اسلام کے مشن اور اس کی طاقت کی بنیادی رکھیں۔ (نواں باب ص130)۔

"یہ ایک بدنام حقیقت ہے کہ یورپی تہذیب کا عروج عصر جدید میں سنل پرستی کے دوبارہ اثبات اور تجدید کے مترادف ہے۔ یہ نسل پرستی ہی ہے عملاً ذات پات کی جنون پرور پرستش کا روپ دھار چکی ہے نسل پرستی انسان اور اس کے خالق کے سامنے انسان کی عدم مسوات کے حامی اور انسانی برداری کے نظریئے کی منکر ہے۔ انسانی اخوات کا عقیدہ نسل اسانی کی وحدت اور مسوات کا علمبردار اور بنی نوع انسان کی بقاء کی امید کا ضامن ہے۔ یہ المناک حقیقت تمام صحیح الدماغ انسانوں پر ضرور عیاں ہونے چاہیے کہ سنال پرستی کے احیاء سے دنیا میں بدتر

تبدیلیاں رونما ہوئی ہیں۔ اس کے سبب دنیا کے سماجی معیارات اور اس کی اخلاقی اقدار زوال پذیر ہوگئی ہیں۔ (گیارہواں باب ص149)

''نقل مکانی ایک ایسا عنصر ہے جسے پاکستان جیسے ملک کی آبادی کے بیان سے نظر انداز نہیں کیا جاسکتا جس کے لوگ اپنے ایمان کی رو سے جذب خاکی کے مخالف اور بوقت ضرورت اپنے وطن کے حدود سے بار اپنے مستقبل کو تلاش کرنے کے لیے بے حد مہم جو اور بلند حوصلہ ہیں۔'' (گیارہواں باب ص152)

''ہم سب اس بات سے آگاہ ہیں کہکسی قوم کی علامت اور شعائر اسکی ذہنی کیفیات اور روحانی واردات پر مشتمل ہوتے ہیں۔ یہ چیزیں اس قوم کے اصولوں اور مقاصد حیات کی ترجمانی کرتی اور اس کی روایات وامتیازات کی وضاحت کرتی ہیں۔ دوسرے لفظوں میں یہ قومی علامتیں اس قوم کے ورثے اور تاریخ کی ترجمان اور اس کی امیدوں اور تقدیر کی ضامن ہوتی ہیں۔۔۔۔ دیگر اقوام کی مانند پاک قوم کے افراد بھی اپنے مخصوص شعائر اور نشانات کے مالک ہیں۔ بنیادی طور پر یہ علائم اسلام کا تحفہ ہیں۔۔۔۔
یہ شعائر اور علائم ہمیشہ اسلام کے نصب العین اور پیغام کے ساتھ پاک ملکت کے افراد کی کامل وابستگی کے آئینہ دار اور قوموں کی برادری میں ان کی قومی یک جہتی اور تکریم کی ضمانت ہی' بارہواں باب ص154)

''پاک ملک کے افراد کی نظر میں دینا سلام تمام علائم میں سے ایک ابدی شعار اسلام

ہے۔ یہ انکی زندگی کا زرارہ ہے۔ اسلام ان کی روح اور وجود کو روشن کرتا ہے۔ یہ مسلمانوں کو ایک قوم کی حیثیت سے متح کر کے انہیں دینیہ براعظم اوراس کے صوبہ جاتمیا □ مجاہد بناتا اوران کے عزیز نصب العین کی جانب راہنمائی کرتا ہے۔" (بارہواباب ص154)

"اسلام کے کردار کے بارے میں کسی کو حیران ہونے کی ضرورت نہیں دیگر مذاہبکے برعکس یہ قدرتی ہے کیونکہ اسلام ایک معاشرتی مذہب ہے۔ باالفاظ دیگر اسلام دین وسیاست کا مجموعہ ہے۔ اس لحاظ سے یہ اپنے پروکاروں کی صرف روحانی بہبودوترقی نہیں دیتا بلکہ یہ ان کی سماجی اور مادی ترقی ،ان کے قومی اور بین الاقوامی استحکام اور دنای کی اساسی تعمیرنو کو بھی فروغ بخشتا ہے۔" (بارہواں باب ص154)

"اس لیے کہ کہنا کوئی مبالہ نہیں کہ کم ازکم جہاں تک زندگی کے لوازمات کا تعلق ہے، اسلام ملت پاک کے افراد کے لیے وہی کچھ کرتا ہے جو غیر مسلم قوموں کیلیے مذہب اور قانون از مجلس کیا کرتے ہیں۔" (بارہواں باب ص155)

"پاکستان کے لیےقومی کیلنڈر وہی اسلامی کیلنڈر ہے جسے ساری امت مسلمہ استعمال کرتی ہے۔ یہ ہمارے عظیم دین کے عروج اور ہمارے عظیم انقلاب کے آغاز کی علامت اور ہمارے اس الہامی حرکی نظام کا نمائندہ ہے جو بیک وقت روحانی اور دینوی ہے"۔ (بارہواں باب ص157)۔

"مکہ سے مدینہ کے طرف رسول کریمؐ کی ہجرت (نقل مکانی) ایک ایسا واقعہ ہے جو اسلام کی کامرانی، اسلامی دور کی ابتداء، اور دنیا میں اسلامی تہذیب وتمدن اور اس کی برتری کا پیش خیمہ ثابت ہوا۔" (بارہواں باب ص 157)

"کسی قوم کے تہواروں اور ضیافتوں کا تعلق خواہ خوشیوں کے ساتھ ہو یا غو کے ساتھ، وہ زندگی کے اہم ترین واقعات کی برسیوں کی عکاسی کرتے ہیں۔ یہ سلانہ تقریبات نہ صرف اس قوم کی ماضی کی یاد دہانی کراتی ہیں بلکہ یہ اس کے حال کی تجدید کرتی اور اس کے مستقبل کے ولولے بیدار کرتی ہیں۔ یہی سبب ہے کہ لوگ انہیں یاد بھائی اور نئی جاںنثاری کے انداز میں مناتے ہیں۔ (بارہواں باب ص 159)

"زبان، ان جمع شدہ تجربات کی امین ہے جن میں تمام گزشتہ ادوار نے حصہ لیا ہے اور جو تمام واقع ہونے والے تجربات کا ورثہ ہے۔ دوسرے لفظوں میں زبان کسی قوم کے بیش بہا خیالات اور مقاصد پر مبنی ایک ایسا خزانہ ہے جسے وہ قوم دنیا کے حوالے کر دیتی ہے تا کہ دنیا ان خیلات اور مقاص کو آئندہ نسل کے لیے محفوظ رکھ سکے۔ اس لیے یہ امر بالکل واضح ہے کہ زبان کسی قوم کے بہت زیادہ قیمتی شعائر کا جزو بن جاتی ہے۔ (بارہواں باب ص 59 - 160)

"پاکستان کی قومی زبان پاک زبان ہے جسے بزرگ اور اردو کے نام سے جانتے ۔۔۔ اردو زبان حیرت انگیز ترقی کرتے کرتے ایک عمدہ ذریعہ اظہار بن چکی ہے۔ یہ ایک ایسے مذہبی، فلسفیانہ، سیاسی اور سائنسی ادب کی حامل ہے جو نہ صرف مشرق کے بہتری ادبی پاروں کا

مقابلہ کرتی ہے بلکہ وہ بنی نوع انسان کے ذہنی سرمائے میں پاک لوگوں کے عظیم اضافہ کی بدولت تاریخ می ایک خاص مقام کی حق دار ہے۔۔۔ یہ دیئیہ براعظم میں سب سے زیادہ بولی جانے والی زبان ہے۔ دراصل یہ پاکستان کے تمام ثقافتی مدار کی بین الاقوامی اور ایشیاء کے ہمسایہ براعظم میں سب سے زیادہ سمجھی جانے والی زبان ہے۔ (بارہواں باب ص160)

’’مذہب، سیاست اور تاریخ ہر ایک قوم کے قوانین کے ماخذ ہوتے ہیں۔ اس لیے وہ ایک ایسے منفرد اور قومی کردار کے حامل ہوتے ہیں جو انہیں دوسری قوموں کے قوانین سے ممیز کرتے ہیں۔ (بارہواں باب ص161)

’’اب جہاں تک پاکستان کا تعلق ہے اس کے قومی قوانین وہ اسلامی قوانین ہیں نجن کیعلمکق فقہ کہا جاتا ہے۔ اس اسلامی فقہ کے ماخذ قرآن (کتاب مقدس)، احادیث (روایات) اجماع (مققفقہ فیصلہ) اور رائے (قیاس) ہیں۔ ان ذرائع سے مسلمان قانون دانوں نے کئی صدیوں کے دوران ایک ایسا جامع قانونی نظام بنایا ہے شریعت کے نام سے پکارا اتا ہے شریعت کی اصطلاح کا نزدیک ترین مگر ناموزوں ترجمہ سیکرڈ لاء ۔ مقدس قانون (Sacred Law) کیا جاتا ہے‘‘۔ (بارہواں باب ص161)

’’شریعت دو ایسی نمایاں خصوصیات کی حام ہے جو قانونی دنیا میں بے مثال ہیں۔ امت مسلمہ کی طرح پاکستانیوں کا ان پر بجا طور پر فخر ہے۔ پہلی خصوصیت یہ ہے کہ یہ ایسا واحد نظام قانون ہے جس کی رو سے حاکمیت صرف اللہ کے لیے ہے۔ اس لیے انسانی اطاعت صرف

خدا کے لیے ہے۔ شریعت اسلامیہ کی دوسری خصوصیت یہ ہے کہ روائتی یورپین مفہوم میں یہ ''ریاست کی طرف سے نافذ کیے جانے والے احکام'' مجموعہ نہیں ہے۔ اس کے برعکس یہ ایک ایسا نظام ہے جس میں ایسے احکام جزو کا درجہ رکھتے ہیں۔ اس نظا کی ''اولین اور اا کری غرض و غائت خدا اور انانی روح کے درمیان تعلق اتوار کرنا ہے۔'' دوسرے لفظوں میں یوں کہ لیجئے کہ دنیا میں صرف اسلای قوانین کے نظام کی '' اہم غرض ریاست کی بجائے فرد اور اس کی فلاح وبہبود ہے۔۔ (بارھواں باب ص 162)

''پاکستان میں جابجا مزارات پائے جاتے ہیں اور یہ مقدس مقامات اس کے قومی ورثہ کا لازمی حصہ ہیں۔ ان مزارات میں پاکستان کے وہ اولیاء، حکماء، مجاہدین اور مبلغین ہیں جنوہس نے اپنی زندگیاں اللہ کا پیغام پھیلانے کے لیے وقف کردی تھیں انہوں نے اپنے جذبہ ع عمل کیبد ولت لاکھوں انسانوں کو حلقہ بگوش السام بنایا اور پاک افرد کی زندگیوں کی اصلاح کر کے اپنے وطن کی نیک نامی کو چار چاند لگادیئے گے۔

لوگ ان نفوس قدیہ کو بہت عزت واحترام کی نظر سے دیکھتے ہیں۔ عوام الناس ان کی پوجانہیں کرتے جیسا کہبعض غیر مسلموں نے کہا ہے۔ اسلام اور مسلمانوں کی رائے میں پرستش صرف اللہ کے لیے مخصوص ہے۔ (تیرہواباب ص 164)

''فی الحال پاکستان کے بیشتر قوی قوانین خواہ وہ شہری ہوں یا بین الاقوامی التواء اور تعطل کا شکار ہیں۔ دراصل 1857ء میں ہمارے ملکی زوال کے بعد سے نکاح، جانشنیی، وراچت اور تولیت وسرپرستی سے متعلق پرنسل قوانین کو چھوڑ کرقاتی قوانین کو برٹش انڈین قوانین

نے منسوخ کر دیا ہے۔ تاہم وہ وقت دور نہیں جب ہماری ملکی عدالتیں ہمارے قوی قوانین کو دار بہ پوری طرح نافذ کریں گری او ان ے مطابق نظم ونسق چلائی گی۔ (بارہواں باب ص162)

’’حضرت علی مخدوم ہجویریؒ کو عام لوگ داتا گنج بخشؒ کے نام سے جانتے ہیں وہ بڑی روحانی طاقتوں کے مالک تھے اور متجر عالم تھے۔ ان خوبیوں کی وجہ سے شاہزادے اور کسان ان کا بے حد احترام کرتے تھے۔ انہوں نے علم دین کے بارے میں بہت سی کتابیں تصنیف کی تھیں جو نہ صرف ان کے تجر علمی کا منہ بولتا ثوبت ہیں بکہ وہ اسلام کے بنیادی اصولوں کی تشریح و توضیح کا نمونہ بھی پیش کرتی ہیں‘‘۔ (تیرہواں باب ص167 - 166)

’’حضرت شیخ محمد المعروف میاں میرؒ صاحب بہت متقی انسان تھے جن سے ادنیٰ و اعلیٰ یکساں طور پر فیض حاصل کرتے تھے۔ وہ اسب انہیں خراج عقیدت پیش کرتے تھے۔ عہلیکا شاہی خاندان ان کی بہت زیادہ عزت کرتا تھا اور اس خاندان کے بہت سیا فارد کا ان کے ساتھ بڑا گہرا تعلق تھا۔ شاہ جہاں بادشاہ نے بذات خود کئی بار ان کی بارگاہ میں حاضر ہو کر ان ی فیوض و برکات کا حاصل کیا جب کہ شہزادہ دارا شکوہ ان کے حلقہ ارادت میں شام تھا۔ (تیرہواں باب ص167)

’’حضرت شیخ فرید الدین مسعود گنج شکرؒ‘‘ عالم طور پر بابا فرید صاحب کے لقب سے مشہور ہیں۔ انہیں ہمیشہ اسلام کے عظیم ترین اولیاء میں سے تسیم کیا گیا ہے۔۔۔ ابن بطوطہ

1334ء میں بڑے احترام کے ساتھ ان کے مزار پر حاضری دی تھی۔ امر تیمور نے 1398ء میں ان کے مزار کا احترام کرتے ہوئے پاک پتن کے باشندوں کے ساتھ نمایا مہربانی کا سلوک کیا تھا۔ (تیرہواں باب ص 168 - 166)

''حضرت قریشی بہاء الدین زکریاؒ کو عام لوگ حضرت شیخ بہاء الحقؒ کے نام سے یاد کرتے ہیں...... انہوں نے ملتان میں اپنے تبلیغی کام وشروع کیا تھا۔ انہوں نے اپنی پرہیزی گاری اور علمکی بناء پر لوگوں کے دلوں کو اس قدر مسکر کر لیا تھا کہ ہزاروں انسان ذہنی جلا اور ہدایت کے لیے ان کی جانب رجوع کرتے تھے۔ ایسا ہونا ایک قدرتی امر تھا کیونکہ ہر جگہ ایک عظیم روحانی راہ نما کی حیثیت سے ان کی ستائش کی جاتی تھی۔ (تیرہواں باب ص 168)

''حضرت پیر پگاڑو کے مزر کے دور دور تک دھوم ہے سب امیر اور غریب ان کے مزار کی زیارت کرتے اور لاکھوں انسان انکی تکریم کرتے ہیں۔ یہ ایک قدرتی بات ہے کیونکہ یہ پیروں کی اس گدی کی ترجمان ہے جسے نہ صرف پاکستان بلکہ سارے دیئیہ براعظم میں سب سے زیادہ با اثر خیال کیا جاتا ہے...... اس عظیم المرتبت ولی کے جانشینوں اور پیروکاروں خصوصاً حروں نے اسلامی مقصد کے لیے بڑی جانثاری، جفاکشی اور محنت سے کام کیا ہے یہی وجہ ہے کہ وہ دیئیہ براعظم کی ملت کے ممدوح بن گئے ہیں۔ (تیرہواں باب ص 170 - 171)

''قاری کو شرع ہی یں اس بات کی یاد دہانی کرانا اہم ہے کہ پاکستان کی تاریخ کسی ایسے ملک کی تاری نہیں جسے کسی وقت ''انڈیا'' میں سے تراش کر بنایا جائے گا اس کے برعکس یہ

ایک ایسے ملک کی تاریخ ہے جسے فی الحال انڈیا میں شامل کی گیا لیکن وہ اس سے پہلے ہمیشہ ہی جداگانہ وجود رکھتا تھا۔(چودھواں باب ص - 175)

''پاکستان کی سرحدوں پر اسلام کا ظہور 638ء میں ہوا جب حضرت عثمانؓ خلیفہ المسلمین تھے...... دراصل اسلام کی آمد نے پاک تاریخ کا ایک دور ختم کیا اور دوسرے دور کے ابتداء کی ...... سب سے پہلے بلوچیوں نے ملت اسلامیہ میں شمولیت اختیار کی اور اسی سال 645ء افغان بھی اسلامی برادری میں داخل ہوئے۔جب ہندوذات کے بحری ڈاکوؤں نے دیبل کے مقام پر مسلمانوں کے جہازوں کو پکڑ لیا تھا تو مارشل محمد بن قاسم کی زیر قیادت مسلمان فوجیں 711ء میں پاکستان میں داخل ہوئیں تا کہ وہ ان بحری قزاقوں سے بدلہ لے سکیں۔ان مسلمانوں کا آزادی دلانے کی حیثیت سے استقبال کیا گیا تھا۔(چودھواں باب ص - 178 - 177)

''اعمال اقوال کی نسبت زیادہ موثر ہوتے ہیں اور اعمال الفاظ کی نسبت زیادہ اثر انگیز بن جاتے ہیں۔(چودھواں باب ص - 178)

''1612ء میں برطانوی حکومت نے اپنی سب سے پہلی بستی سورت میں قائم کی۔یہ ایک ایسا واقعہ تھا جس نے ارھائی صدیوں کے دیبیہ میں ہماری اور بہت سے ایشیائی اور افریقی قوموں کا خاتمہ کردیا۔(چودھواں باب ص - 194)

''محمد محمود غزنویؒ اپنے عہد کی ''غالب شخصیت'' کا حامل تھا جس نے اپنے کارہائے

نمایاں کی بدولت پاکستان کی تاریخ میں اپنی حکومت کو ہمیشہ کے لیے یادگار بنا دیا تھا ایسا ہونا قدرتی امر تھا کیونکہ وہ ایک ایسا انسان تھا جس کے سینے میں اسلام کا شعلہ پوری درخشانی کے ساتھ جل رہا تھا۔ اسلام نے اس کے تمام وجود کو منور کر کے اسے اسلام کی خدمت کا بے پایاں جوش و خروش عطا کیا اور براعظم دینیہ میں تبلیغ اسلام اور استحکام پاکستان کیلیے اسے غیر معمولی صلاحیتوں کو وقف کرنے پر مجبور کر دیا تھا۔ (چودھواں باب ص 182 - 180)

''اورنگ زیبؒ کی سب سے بڑی کامیابی اخلاقی اور روحانی میدان میں تھی اس نے اپنی کردار و گفتار اور اپنے قوم و عمل سے دینہ میں اسلام کے مقصد کو حیات نو بخشی اور مسلمانوں کے اندر جذبہ جہاد کی نئی روح پھونک کر ان کی زندگیوں کو ملت اسلامیہ کے نصب العین کیلیے وقف کر دیا۔ یہ ایک ایسی عدیم النظیر خدمت ہے جس کیلیے ہم تا باد اس کے احسان مند رہیں گے۔ (چودھواں باب ص197 - 196)

''ٹیپوؒ کی موت میسور اور ملت اسلامیہ کے لیے ایک المی تھی۔ اس کی موت نے ہماری بحالی کے امکانات کو مدھمکر دیا اور برطانوی فتح کے امکانات کو روشن بنا دیا۔ (چودھواں باب ص - 202)

''انڈین وحدت کے فرضی قصبے پر پاک آئیڈیالوجی نے تباہ کن اثر ڈالا ہے۔ پاک نظریہ حیات نے دینیہ کی واحد قومیت اور واحد علاقائیت (وطنیت) کے مسلک کو برباد کر کے رکھ دیا ہے۔ (پندرھواں باب ص - 205)

''چین اسلامز جو بھوت کی طرح برطانوی لوگوں کے سروں پر سوا ہے اور جس نے ان کے فیصلہ جات کو تلخ بنا دیا ہے کوئی مذہبی جنون نہیں ہے بلکہ یہ تمام مسلمانوں کے ایمان کی بنیاد ہے۔(پندرہواں باب ص - 205)

''1857ء کا المیہ ایک ایسا قیامت خیز واقعہ ہے جس نے دینیہ کے براعظم کے تمام ممالک میں کئی صدیوں تک ہماری یادگار خدمت کے بعد پاکستان میں ہماری قومی حاکمیت اور دینیہ میں ہماری شاہانہ برتری سے ہمیں محروم کر دیا ہے''۔
(پندرہواں باب ص - 209)

'' ایمان زندگی کا مظہر ہے اور شکست خوردگی موت کی آئینہ دار ہے۔''
(پندرہواں باب ص - 209)

''اگرچہ 1857ء میں ہماری شکست نے دینیہ میں ہماری شاہانہ عظمت کو معرض التواء میں ڈال دیا تھا مگر اس نے ہماری قومیت کا چراغ گل نہیں کیا۔ درحقیقت یہ ایسا نہ کر سکی کیا نکہ یہ قومیت ہمارے وطن لوگوں کے دل و دماغ میں ہمیشہ ہی جاگزین رہی۔'' (پندرہواں باب ص209)

''ایک ممیّز قوم کی حیثیت سے ہمارے ساتھ سلوک نہ کیا گیا بلکہ ہمارے ساتھ انڈین

قوم سے تعلق رکھنے والی ایک اقلیتی جماعت کی حیثیت سے برتاؤ کیا گیا علاوہ ازیں ہمارے علاقوں کو ہمارے اوطان خیال کرنے کی بجائے انہیں انڈیا کے صوبہ جات تصور کیا گیا۔ اس طرح ہمیں اپنی قومیت سے محروم کر کے اور ہمارے وطنوں کو لوٹ کر ہمیں برطانوی لوگوں اور ان کے ساتھیوں یعنی بنیوں کی خدمت کے لیے لکڑ ہارے اور ماشکی بنا کر رکھ دیا گیا۔'' (پندرھواں باب ص 212)

''مولانا محمد علی ایک نڈر مجاہد اور ملت اسلامیہ کا ایسا جانثار خادم تھا جس کی زندگی اور موت اسلام کے لیے وقف تھیں۔'' (پندرھواں باب ص 212)

''برطانیہ میں جو بھی سیاسی پارٹی برسر اقتدار تھی اس نے برطانوی پالیسی کی جان ہماری ملت شکنی بنائے۔ اس طرح ذات پات رکھنے والی جو بھی انڈین نیشنل کانگریس پا قابض رہی اس نے ہماری اسلامیت کو پارہ پارہ کرنے کو ذات پات کی حامی ہندو سیاست کا ایمان قرار دیا...... اور جو بھی مسلم سیاسی جماعت غالب رہی اس نے برٹش بنیا اتحاد کی اطاعت کو اپنی سرگرمیوں کا مستقل پہلو بنایا۔'' (پندرھواں باب ص 212)

''ہم سب مسلمان ذات پات والی ہندو جاتی سے مختلف ہونے کے سبب ایک ممیّز ملت ہیں۔ ہماری تقدیر ذات پات والے ہندوؤں سے نہیں بلکہ دوسرے مسلمانوں کے ساتھ ادغام سے وابستہ ہے۔ یہ بات بھی ملحوظ خاطر رہے کہ دوسرے علاقوں کے علاوہ موجودہ ''انڈیا'' کے شمال مغربی صوبے ہماری ملکیت ہیں نہ کہ ذات پات والے ہندوؤں کی۔ اس لیے ہمیں چاہیے

کہ ہم انہیں برٹش بنیا تسلط سے آزاد کرالیں۔'' (پندرھواں باب ص213)

''1915ء کا سال تاریخ اسلام کے انتہائی فیصلہ کن اور تقدیر ساز سالوں میں سے ہے۔ یہ 1915ء کا واقعہ ہے جب کہ میں نے بزم شبلی کی بنیاد رکھتے ہوئے پہلی بار اپنے سیاسی خیالات کا اظہار کیا تھا۔ میں نے اس بزم میں اپنا افتتاحی خطبہ پیش کرتے ہوئے یہ الفاظ کہے تھے:

''انڈیا کا شمالی علاقہ مسلمانوں پر مشتمل ہے اور ہم اسے مسلم علاقہ ہی رکھیں گے۔ نہ صرف یہ بلکہ ہم اسے ایک مسلمان ریاست بھی بنائیں گے۔ ایسا کرنے کے لیے سب سے پہلے ہمیں اور شمالی علاقے کے مسلمانوں کو انڈین کہلانے سے باز رہنا ہوگا۔ اس مقصد کے حصول کے لیے یہ اولین شرط ہے۔ اس لیے ہم جتنی جلدی ہندوستانیت' سے چھٹکارا پالیں۔ اسی قدر یہ اسلام اور ہم سب کے لیے بہتر ہوگا۔'' (پندرھواں باب 214-213)

''دوستو! اگر میرے نظریات تمہارے قابل قبول نہیں تو پھر بہتر ہے کہ ہم جدا ہو جائیں...... ہم میں سے ہر ایک کو یہ اجازت ہے کہ وہ اپنے عقیدے کے مطابق آزادی کے مقصد کے حصول کے لیے ملک کی خدمت کرے تم اپنے راستے پر چلتے رہو اور میں اپنی راہ پر گامزن رہوں گا۔ تم اپنے انڈیشن انقلاب کے کام کرو لیکن میں اپنے اسلامی انقلاب کی خاطر کام کرتا رہوں گا۔ انجام کار ہم یہ دیکھیں گے کہ انڈیا میں سب سے زیادہ حرکی اور تخلیقی انقلاب کون پیدا کرتا ہے...... اس (بزم شبلی میں خطبہ افتتاحیہ) نے میری خیال پرستی اور تصوریت کو مکمل طور پر اسلامی سمت عطا کردی۔ یہ ایک ایسی سمت تھی جس نے آخر کار پاک پلان کی منزل کتعین کردی یا

کستان اس کا پہلا حصہ اور مرحلہ ہے۔" (پندرھواں باب ص214)

"مولانا حضرت موہانی ایسا بے لوث، انقلابی اور شاعر سیاست دان ہے جس نے آزادی کے مقصد کی خاطر اپنی زندگی وقف کر کے اپنی خدمات اور قربانی سے ہماری پبلک لائف (اجتماعی زندگی) کے معیار کو اونچا کر دیا ہے۔" (پندرھواں باب ص215)

"اس بات کو ذہن میں رکھنا چاہیے کہ وفاق میں لفظ "ریاست" کا مطلب ایک خود مختار ملک نہیں ہے۔" بلکہ اس کا مفہوم ایک ماتحت علاقائی یونٹ (اکائی) ہے۔" (پندرھواں باب ص216)

"سر محمد اقبالؒ اسلام کا وہ غیر فانی شاعر ہے جس کی شاعری نے ہماری تاریخ کے تاریک ترین دور میں مشعل ہدایت کا کام دیا اور جس کا پیغام ہمیشہ ہماری تقدیر کو بنانے والے راستے کی جانب ہماری مدد کرتا رہے گا۔" (پندرھواں باب ٹ218)

"اساسی دستور میں وفاق پرستی کا سرچشمہ کسی قوم کے افراد کی مشترکہ قومیت کا تصور ہے۔ اس کی بنیاد کسی مشترکہ قومیت کی حمایت میں تمام شرکاء کا اپنی مخصوص قومیت سے رضامندانہ اور مستقل طور پر دستبردار ہو جانا ہے۔ اس طرح کی مشترکہ قومیت کا اٹل مطلب اس وفاق میں شریک ہونے والے بڑے ساتھی کی قومیت ہوتا ہے۔" (پندرھواں باب ص220)

''پاکستان کا لفظ فارسی اور اردو کا مرکب ہے۔ یہ لفظ ان تمام حروف سے مل کر بنا ہے جو ہمارے تمام ''انڈین'' اور ''ایشیائی'' وطنوں کے ناموں سے ماخوذ ہیں۔ یعنی کہ پنجاب' افغانیہ (شمال مغربی سرحدی صوبہ)' ایران' سندھ' (بشمول کچھ اور کاٹھیاوار) تورخارستان' افغانستان اور بلوچستان۔ اس کا مطلب ہے ان پاک لوگوں کی سرزمین جو روحانی طور پر پاک صاف ہوں۔'' (پندرھواں باب ص225)

''ان کو کچھ اندازہ ہی نہیں کہ معمولی ذرائع رکھنے والے معمولی مسلمان غیر معمولی جانثاری اور عقیدت کے ساتھ کون سے کارنامے سرانجام دے سکتے ہیں۔ میں ان کو بتا دینا چاہتا ہوں کہ اسلام کے روحانی فیضان کا اثر اتنا شدید ہوتا ہے کہ مادی رکاوٹوں نے کبھی مسلمانوں کے کام کو نہیں روکا۔'' (پندرھواں باب ص234)

''کسی قوم کے مستقبل کو پرکھنے کے لیے انسان کو چاہیے کہ وہ اس قوم کے ریکارڈ' اس کے ذرائع اور دنیا میں اس کے مقام کو ضرور پیش نظر رکھے۔ دوسرے لفظوں میں اس قوم کے گزشتہ اور موجودہ ریکارڈ اس کے اخلاقی اور مادی ذرائع اور خطرات وامکانات پر مشتمل اس کی حالت کا ضرور جائزہ لے۔''

''مقصد' تجویز اور کوشش کی وحدت کے بغیر ہم میں سے کوئی بھی کامیاب اور زندہ نہیں رہ سکتا۔'' (سولہواں باب ص240)

”یہ صحیح ہے کہ اپنی تاریخ کی تیرہ صدیوں کے دوران ہمیں سخت آزمائشوں سے واسطہ رہا ہے اور ان کے باوجود فی الحقیقت ہم نے تاریخ ساز کاموں کو پایہ تکمیل تک پہنچایا ہے۔“ (سولہواں باب ص240)

”اپنی قومی آزادی کے اہم مسئلے پر کسی قوم کا سمجھوتہ ہمارے مستقبل کے لیے مہلک ثابت ہوسکتا ہے کیونکہ تمام انسانی یقین دہانی کے باوجود اگر ہم ایک بار بھی ”انڈیا“ میں شامل ہونے پر رضامند ہو گئے۔ تو پھر ہم ہمیشہ کے لیے ”ہندوستانیت“ کی غلامی میں گلتے سڑتے رہیں گے۔ ”ہندوستانیت“ ہماری قومی بقا کے لیے عظیم ترین خطرہ ہے۔“ (سولہواں باب ص 242-246)

”سب سے زیادہ ضروری بات یہ یاد رکھنا ہے کہ قانون قدرت کی رو سے ”باطنی احساس“ ہمیشہ ”خارجی شناخت“ سے پہلے وقوع پذیر ہوتا ہے یہ قانون قدرت قطعی ہے اس میں مستثنیات کی کوئی گنجائش نہیں۔“ (سولہواں باب ص246)

”اگر بنیادیں قائم رہیں تو پھر عمارت بھی کھڑی رہتی ہے۔ اگر وہ بنیادیں ہی گر جائیں تو پھر ہر چیز گر جاتی ہے۔ اگر چہ یہ خیال بڑا معمولی اور فرسودہ ہے۔ مگر یہ درست ہے۔“ (سولہواں باب ص246)

”ہمیں دنیا میں اپنا کھویا ہوا مقام دوبارہ حاصل پانے کے لیے حتی الامکان ضرور سعی

کرنی چاہیے۔" (سولہواں باب ص253)

"اس وقت بھی اگر ہم نے اشخاص' جماعتوں اور شاہزادوں کے حوالے سے سوچنے اور عمل کرنے کی غلطی کو دہرایا تو پھر ملت اسلامیہ کی حیثیت سے ہمارے احیاء کی ساری امید خاک میں مل جائے گی' اس کے برعکس یہ امر یقینی ہے کہ اگر ہم ایمان' بھائی چارے اور اوطان کے حوالے سے سوچیں اور کام کریں تو پھر ہم ملت اسلامیہ کے لئے خود مختار آزادی حاصل کر لیں گے۔" (سترہواں باب ص258-257)

"موجودہ نازک ایام میں ہمارا اولین فریضہ اپنی تاریخ سے ہدایت تلاش کرنا اور اس کی روشنی میں اپنے مستقبل کو بچانے اور محفوظ کرنے کی سعی کرنا ہے۔" (سترہواں باب ص258)

"ہم سب کو یہ بات معلوم ہے کہ افراد کی مانند اقوام بھی غلطیوں اور بدنصیبوں سے سبق سیکھتی ہیں۔سوال یہ ہے کہ کیا ہم نے بھی اپنی غلطیوں اور بدبختیوں سے کچھ سیکھا ہے؟" (سترہواں باب ص258)

"یقیناً اس دنیا میں کوئی قوم بھی جامد نہیں رہ سکتی اور خصوصاً ہم سب مسلمان جنہوں نے نے واقعی سب کچھ کھودیا ہے اور ابھی تک کچھ بھی بحال نہیں کیا؟" (سترہواں باب ص263)

"اپنی اقلیتوں کو ہندو سرزمین پر چھوڑنا اس ساری ملت اسلامیہ کی ایک تہائی آبادی

رکھنے والے مسلمانوں کو ہندوؤں کی قیادت میں دینے کے مترادف ہے جو اپنی آزادی کے لیے براعظم میں کوئی ساتھی رکھتی۔" (سترہواں باب ص 267)

"ہمیں اپنی اقلیتوں کو ہندو ممالک میں ہرگز نہیں چھوڑنا چاہیے خواہ برطانوی لوگ اور ہندو ہمیں نام نہاد آئینی تحفظات کی پیش کش ہی کیوں نہ کریں کیونکہ حفاظت کی کوئی یقین دہانی بھی اس قومیت کا بدل نہیں ہو سکتی جو قومیت ان کا پیدائشی حق ہے۔" (سترہواں باب ص 267)

"ہماری آخری غرض و غافیت کے نقطہ نگاہ سے "اقلیت پرستی" کے ساتھ سمجھوتہ ابدی فتح پر منتج نہیں ہا گا بلکہ یہ ملت اسلامیہ کے لیے ایک ناقابل تلافی المیہ بن جائے گا۔" (سترہواں باب س 269)

"ہم پاک ایشائیوں ی نظر میں اتفاق نہ صرف طاقت کا منبع ہے بلکہ یہ مقدس فرض بھی ہے کیونکہ یہ ہماری اسلامی برادری کی اساس ہے ہمیں حکم دیا گیا ہے کہ ہم اتحاد کی حفاظت اور فروغ کے لیے کام کریں اور اسے اپنی قوموں اور اپنے ملکوں کے مابین باقی رکھیں۔" (سترہواں باب ص 277)

"دنیا میں کسی قوم کا الگ تھلگ رہنا اگر مکمل تباہی کو نہیں تو جارحیت کو ضرور دعوت دینے کے مترادف ہے...... چونکہ ہماری قومیں ملت اسلامیہ سے تعلق رکھتی ہیں اس لیے وہ باہم

زندہ رہتی اور مرتی ہیں۔ پس اپنی قومی اور ملی سالمیت کے لیے انہیں پاک کامن ویلتھ آف نیشنز (اقوام کی پاک دولت مشترکہ) میں رہتے ہوئے ایک دوسرے کے ساتھ اتحاد اور تعاون سے ضرور کام لینا چاہیے۔ کہنے کا مدعا یہ ہے کہ ایک ایسی دولت مشترکہ ہوگی جو ان سب کی مشترکہ نجات، ان سب کے مشترکہ دفاع، ان سب کی مشترکہ ترقی اور ان سب کی مشترکہ تقدیر کے لیے ان کے مقاصد کو موثر، ان کی عملی حکمتوں کو مربوط، ان کے ذرائع کو مجتمع اور ان کی سرگرمیوں کی ہدایت کوش ثابت ہوگی۔" (سترہواں باب ص 277)

"یہ بات ضرور سمجھ میں آنی چاہیے کہ مرکزی مقصد پاکیشا میں ہماری قوموں کے درمیان تعاون کا ہونا ہے۔ اس لیے اس تنظیم (پاک کامن ویلتھ آف نیشنز) کی ظاہری ہیئت سا تھ کوئی تقدس وابستہ نہیں۔ دراصل اگر مسلم اقوام چاہیں تو وہ اس کی بجائے کنفیڈریشن یا مجلس اقوام کی تشکیل کر سکتی ہیں...... مسلم ممالک کی دوری اور بے ربطی کے سبب کنفیڈریشن کی تشکیل مشکل ہے اور مجلس اقوام کا تصور ہی انتشار کے خطرے کا حامل ہے۔ اس کے برعکس پاک کامن وایلتھ کی اصل نہ صرف کنفیڈریشن کی دشواری اور مجلس اقوام کے خطرے سے آزاد ہے بلکہ وہ بذات خود اس تنظیم (پاک کامن ویلتھ) کی کامیابی اور استواری کی ضمانت ہے۔" (سترہواں باب ص 278-277)

"میں نے اس کامن ویلتھ (پاک کامن ویلتھ آف نیشنز) کے نام اور منصوبے کو دائمی بنانے کی کوشش کی ہے۔ یہ کامن ویلتھ ہماری اقوام کے بین الاقوامی استحکام کا مرکز شعاع اور پاکیشیا میں ہماری ملت کی برادرانہ وحدت کی زندہ علامت ہوگی۔" (سترہواں باب ص 278

)

''تمام عظیم انسانوں کی طرح تمام عظیم قومیں بھی بنی نوع انسان کی خدمت کے ضمن میں اپنے اپنے مخصوص نصب العین رکھتی ہیں۔ درحقیقت یہ کہنا زیادہ صحیح ہوگا کہ ان اعلیٰ مقاصد کی بنا پر ہی ان کو عظمت نصیب ہوتی ہے۔ تاریخ اس امر کا بین ثبوت بہم پہنچاتی ہے کہ قومیں اسی وقت تک ہی عظمت کی حامل ہوا کرتی ہیں جب تک کہ وہ ان اعلیٰ مقاصد کی مالک بن کر ان کے لیے زندہ رہتی ہیں اور بوقت ضرورت ان کے لیے جانیں قربان کرتی ہیں۔'' (سترہواں باب ص278)

''کوئی وجہ نہیں کہ ''انڈیا'' کی نوعیت اور ترکیب میں اس قسم کی تبدیلی اب اسے ''دیدیہ'' کیوں نہ بنا دے۔ دراصل ایسا ضرور ہونا چاہیے کیونکہ اسے اب بھی ''انڈیا'' یعنی ہندوستانیوں اور ہندوؤں کی سرزمین کہنا اس پر کئی مذاہب اور ان کے پیروکاروں کے وجود کا انکار کرنے کے مترادف ہے۔ نہ صرف یہ بلکہ یہ دنیا کو دھوکا دینا' آئندہ نسلوں کو مردود ٹھرانا اور تاریخ کو برباد کرنا ہے۔'' (سترہواں باب ص279-280)

''اے مسلمانانِ ہندوستان! انسانیت رواں دواں ہے یہ مردہ اور معذور لوگوں کے پہاڑوں کے اوپر اور خون اور آنسوؤں کے دریاؤں سے حرکت کرتی ہوئی ٹوٹے پھوٹے پتھروں اور کھنڈرات کے صحراؤں کو عبور کر رہی ہے۔ یہ غلامی کی زنجیروں کو توڑ رہی ہے اور صدیوں کے مظالم کا انتقام لے رہی ہے۔ علاوہ ازیں یہ دنیا میں ''قیصریت'' کی موت کا نقارہ بجا رہی ہے

۔قصہ کوتاہ انسانیت تاریخ کے نئے دور میں داخل ہو رہی ہے۔'' (اٹھارہواں باب ص 285)

''صدیقستان کا قیام بندھیل کھنڈ اور مالوہ کے مسلمانوں کے لیے ہوگا...... فاروقستان کا قیام بہار اور اڑیسہ کے مسلمانوں کے لیے...... معنیستان کی تاسیس راجھستان کے مسلمانوں کے لیے...... ماپلستان کا قیام ساؤتھ انڈیا کے مسلمانوں کے لیے...... صافستان کا قیام مغربی سیلون کے مسلمانوں کے لیے اور ناصرستان کا قیام مشرقی سیلون کے مسلمانوں کے لیے ہوگا۔'' (اٹھارہواں باب ص 285)

''نئے ملکوں میں قومی احیاء کا تو ذکر ہی کیا قومی بقا کے لیے بھی کوئی آسان اور مختصر راستے نہیں ہوتے...... کیونکہ بقا ہمیشہ ان لوگوں کو اصل ہوئی ہے اور ہمیشہ حاصل ہوتی رہے گی جو اس کے لیے طویل اور بہترین لڑائی لڑنے کی صلاحیت اور طاقت رکھتے ہیں۔ یہی قانون قدرت ہے اور قدرت کے قوانین سے کوئی بھی مستثنیٰ نہیں۔'' (اٹھارہواں باب ص 287)

''افراد کو تتر بتر کرنا قوموں کا بدترین دشمن ہے یہ قومی انتشار تو قوموں کے لیے شکست سے بھی زیادہ خطرناک ہوتا ہے کیونکہ شکست تو انہیں ذلیل کردیتی ہے مگر پراگندگی انہیں تباہ و برباد کرتی ہے...... یہ انتشار قوم و ملک کے لیے وہی درجہ رکھتا جو انسانی جسم کی تقسیم کا ہے۔ دوسرے الفاظ میں ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ یہ جسد قوم کو تقسیم اور ٹکڑے ٹکڑے کردینے کے برابر ہے۔'' (اٹھاروواں باب ص 287)

''اپنی حماقت سے فی الحال انڈیا کے مختلف علاقوں میں' منتشر ہوکر ہم اپنے پیش رو لو

گوں کی سخت بدقسمتی کو دعوت دیتے ہوئے اپنے آپ کو ست رو مگر یقینی تباہی کے لیے پیش کر رہے ہیں۔" (اٹھارواں باب ص288)

"انسان کا مقصد جو کچھ بھی ہو یقینی طور پر کامیاب ہونے کے لیے اسے صحیح وقت پر صحیح کام کرنا چاہیے۔" (اٹھارواں باب ص292)

"قوموں اور ملکوں کا بناؤ بگاڑ اور تشکیل نو ایک ابدی طریق کار اور مقصد فطرت ہے۔ کوئی طاقت بھی اسے روک نہیں سکتی...... آغاز زمانہ سے یہ سلسہ چل رہا ہے اور یہ اختتام زمانہ تک جاری وساری رہے گا۔ یہ طریق کار اتنا ہی ناگزیر ہے جتنا کہ فطرت کا کوئی اور عمل۔" (اٹھارواں باب ص292)

"تاریخ ظاہر کرتی ہے کہ تمام ادوار میں بلاواسطہ یا بالواسطہ جنگوں نے ہی قوموں اور ملکوں کی موجودہ تشکیل کی ہے...... اس کا مطلب یہ ہے کہ مناسب وقت آنے پر ان میں تغیر و تبدیل رونما ہوگا۔ موجودہ نظاموں اور تہذیبوں کی دوبارہ تشکی ہوگی۔ اخوتوں اور برادریوں کواز سرنو بنایا جائے گا۔ براعظموں اور ملکوں کی نئے انداز سے تعمیر ہوگی...... اور آخر کام تمام روئے زمین کو تقدیر بدل جائے گی۔ دونوں نصف کرروں اور تمام براعظموں میں طاقتور لوگ اس عالمگیر تنظیم نو کو بروئے کار لانے کے لیے مناسب موقع کا انتظار کر رہے ہیں۔ یہ لوگ ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر منتظر نہیں ہیں بلکہ وہ تکمیل یافتہ لائحہ عمل، مکمل منصوبوں اور پوری تیاریوں کے ساتھ

مناسب موقع کی تاک میں ہیں۔(اٹھارواں باب ص 293 - 292)

"ہمارا فرض ہے کہ ہم ہر قسم کی مخالفت کا قبل از وقت اندازہ لگا کر اس کا بغور مطالعہ کریں اور اس کا اعتماد کے ساتھ مقابلہ بھی کریں۔(اٹھارواں باب ص 294)

"قومیت سے قطعی طور پر محروم ہونے کی بجائے چھوٹی قوم ہونا بہتر اور زیادہ قابل عزت ہے کیونکہ قومیت کسی قوم کے لیے وہی حیثیت رکھتی ہے جو بلوغت کسی فرد کے لیے۔صرف قومیت کا حصول افراد کو دنیا میں زندگی، مقام اور عزت دلا سکتا ہے......کوئی وطن نہ رکھنے کی نسبت چھوٹا سا وطن رکھنا زیادہ محفوظ اور زیادہ لائق تکریم ہے کیونکہ کوئی بھی قوم اپنے وطن کے بغیر نہ تو اپنے پورے قد و قامت تک نشو و نما پا سکتی ہے نہ وہ اپنے ورثے کو محفوظ اور ترقی یافتہ بنا سکتی ہے۔(اٹھارواں باب ص 296)

"کسی قوم اور ملک کی حالت آخر کار اس کے سائز کی بجائے اس کی روح پر دار و مدار ہوتا ہے۔یہ حقیقت نتیجہ خیز طور پر یونان، روم، عرب، اور انگلستان کی تاریخ سے ثابت ہو جاتی ہے۔(اٹھارواں باب ص 296)

"دوسروں کے لیے قومیت خواہ کچھ بھی کیوں نہ ہو مگر ہم مسلمانوں کے لیے یہ اپنی اہمیت کے باوجود کبھی بھی مقصود بالذات نہیں رہی اور نہ ہی کبھی یہ ایسا بن سکے گی۔اس کے برعکس وہ مجلس اقوام کی حیثیت رکھنے والی ملت اسلامیہ کی نشاۃ ثانیہ کے مقصد کےحصول کا ہمیشہ

ذریعہ رہی ہے اور ذریعہ بنی رہے گی۔ قومیت کا دوسرا مقصد ملت اسلامی کے مشن کی تکمیل ہے۔ واضح طور پر انڈیا کے ساتھ ہماری دل بستگی ہمارے اس ملی مقصد کے حصول کے لیے مہلک ہے۔ (انیسواں باب ص 206 - 205)

’’آیئے! ہم سب اپنے چہروں کو مقدس کعبہ کی جانب کرتے ہوئے اللہ اور اس کے رسولؐ کے حضور جھکیں اور اپنی زندگیوں کو دوبارہ ان نیک اور جرات خیز مقاصد کیلیے وقف کر دیں جو ہمارے اسلاف سے ہم تک پہنچے ہیں۔ (انیسواں باب ص 331)

’’آج کل غلطی سے جسے ’’انڈیا‘‘ یعنی ذات پات والے ہندو دھرم اور ذات پات رکھنیوالے ہندوؤں کا بلا شرکت غیرے علاقہ کہا جاتا ہے وہ اعتقاد اور انسانیت کی رو سے ’’دینیہ‘‘ یعنی بہت سے مذاہب اور برادریوں کا مشترکہ علاقہ ہے...... انڈیا ایک ملک نہیں ہے بلکہ یہ ’’براعظم‘‘ ہے...... کسی ایک ’’ملک‘‘ کی تاریخ عموماً ایک سرزمین، ایک زبان اور ایک ثقافت، ایک قوم اور ایک خودمختار ریاست کی تاریخ ہوتی ہے۔ اس کے برعکس ایک ’’براعظم‘‘ کی تاریخ عام طور پر بہت سے ملکوں، بہت سے زبانوں کثیر ثقافتوں، بہت سی قوموں اور بہت سی خودمختار ریاستوں کی تاریخ ہوا کرتی ہے۔ ملک اور براعظم میں یہ بنیادی فرق ہوتا ہے...... ہمیں پتہ چل جائے گا کہ انڈیا کی تاریخ یقینی طور پر ایک ’’ملک‘‘ کی بجائے ایک ’’براعظم‘‘ کی تاریخ ہے...... کسی اور براعظم کی مانند انڈیا ہمیشہ کی طرح اب بھی منقسم ہے میرا مطلب ہے کہ انڈیا آج بھی مذہبی، نظریاتی، لسانی، ثقافتی علاقائی اور قومی طور پر تقسیم ہے۔ (انیسواں باب ص 322 - 320)

''1500ق۔م قبل از مسیح میں چونکہ ذات پات والے ہندوؤں نے دراوڑیا پر اپنی فتوحات کا سلسلہ مکمل کر لیا تھا اس لیے اس کے بعد وہ ''انڈیا بن گیا۔(بیسواں باب ص324)

''وقت آگے بڑھتا گیا یہاں تک کہ اپنی پیش قدمی میں یہ 638ء میں انڈیا کے ملکوں کے پاس اسلام کا پیغام لایا اور 711ء میں یہاں ملت اسلامیہ معرض وجود مُں آگئی۔ یہاں اسلامی پیغام کی آمد اور اسلامی ملت کے ظہور کا نتیجہ یہ نکلا کہ 710ء کے بعد اندیا پھر ''انڈیا'' نہ رہا......710ء کے بعد انڈیا کے مسلمانوں کی فتوحات کا سلسلہ جاری ہو گیا۔(بیسواں باب ص325)

''باطنی شناخت ہمیشہ خارجی شناخت پر مقدم ہوتی ہے اور قوموں کی برادری میں تعارف ذات عالمی تعارف کے لیے اولین شرط ہوتا ہے۔(بیسواں باب ص328)

''پاکستان ایک اسلامی ملک ہے اس اعتبار سے یہ بنیادی ور پر عالم اسلام سے تعلق رکھتا ہے جس کے ساتھ اس کی تقدیر اور خوشحالی کا ناقابل شکست رابطہ ہے۔(بیسواں باب ص331)

''پاکستان جغرافیائی طور پر مشرق کا دل، روحانی طور پر ذات پات کے حامل ہندو دھرم کے خلاف اسلام کی ایک فصیل، سیاسی طور پر یہ ایک مزاحم ریاست ہے جو عالم اسلام کی

غیر محفوظ سرحدوں پر حاوی ہے۔فوجی اہمیت کے لحاظ سے یہ مسلم ایشیاء اور ہندو دینیہ کے درمیان ایک ناقابل تسکیر قلعہ کی حیثیت سے حائل ہے۔(اکیسواں باب ص322)

"عالم اسلام کے کسی بھی حصے کی حفاظت اور اسلمیت سے لاپرواہی کے بارے میں اسلامی برادری کے تمام ارکان کو چاہیے کہ وہ میری باتوں کو ایک سنجیدہ انتباہ خیال کریں اور اس کہاوت "اتفاق ہمارے عروج کا اور نا اتفاقی ہمارے زوال کا باعث ہوتے ہیں" کو ایک اہم دعوت عمل تصور کریں۔اس مقولے کے خلاف عمل کرنا اپنی بربادی کو دعوت یدنا ہے کیونکہ ہم سب خطرناک زمانے میں زندگی بسر کررہے ہیں۔(اکیسواں باب ص333)

"جموں اور کشمیر کی ریاست کا پاکستان سے یہ اخراج جان لیوا کظرے کا حامل ہے کیونکہ مسلمان مملاک کی حیثیت سے پاکستان اور جموں وکشمیر کے لیے یہ زندی کا مسئلہ ہے۔جموں اور کشمر کے بغیر "پاکستان" "پاستان" یعنی داستان ماضی ہو کے رہ جائے گا۔اسی طرح پاکستان جمون اور کشمیر بہت جلد ہندوزسرزمین بن جائیں گے۔(بائیسواں باب ص338)

"ہم برطانیہ کی جانب سے ذات پات والے ہندوؤں کے نامکوئی بھی انتقال اقتدار کبھی تسلیم نہیں کریں گے کیونکہ ہمارے رائے میں جائز انتقال اقتدار صرف دراج الدین بہادر شاہ کے مستحق نمائندے کے نام کیا جاسکتا ہے جو اسے دوسرے قوموں کے حوالے کرے گا یہ اسے ان کے درمیان تقسیم کردے گا"۔(بائیسواں باب ص342)

''سیاست کے نقطہ نگاہ سے بھی مذہب پاک آئیڈیالوجی کے لیے بنیادی ماخذ کا درجہ رکھتا ہے اور وہ ہمارے لوگوں کے لیے عظیم ترین قوم رابطہ ہے۔ اگر ہم مذہب کو اپنی قومی زندگی میں اس کے اعلیٰ مقام تک بلند نہیں کریں گے۔ تو دوسری چیزوں کیعلاوہ یہ پاکستانکے وجود اور ارتقاء کے لیے خطرناک ثابت ہوگا یہ بات دوبارہ ''صوبائیت'' کو زندہ کر کے ہمیں پنجابیون، پٹھانوں، کشمیریوں، سندھیوں اور بلوچیوں کی صورت میں منتشر کر دے گی۔ صوبائیت ایک سے زیادہ بار ہماری ملت کے استحکام کو کمزور اور دینیہ میں ہماری کامن ویلتھ (پاک کامن ویلتھ آف نیشنز) کے باہمی ربط کے جڑوں کو کھوکھلا بنا چکی ہے''۔

''پرانے انڈیا کے ہندو اکثریت والے علاقوں میں مسلم اقلیتوں کے قومی مستقل کی ہمیں بڑے موثر انداز میں ضرورت حفاظت کرنی چاہیے...... یہ مسلم اقلیتیں ہمارے ورثے کا جزو لاینفک ہیں اور یہ مسلمان ہمارے مشن میں سرگرم حصہ دار ہیں۔ ...... پاکستان کی ہمارے جدوجہد میں ان مسلمانوں نے بڑی بہادر سے ہمارا ساتھ دیتے ہوئے اس کے لیے تکالیف برداشت کیں۔ اس لیے قدرتی طور پر ہم سے وہ یہ توقع رکھتے ہیں کہ ہم بھی ان کا ساتھ دیتے ہوئے ان کی حفاظت کیلیے جدوجہد کریں اور مصائب کو گوارا کریں۔ (بائیسواں باب ص 347 - 346)

''عالم اسلام میں پاکستان کے لیے مواقع بے مثال ہیں...... ہمیں اعلیٰموقع ملا ہے کہ ہم اسلامی تہذیب کو بچالیں جو آج کل ایک تکلیف دہ بحران کے مراحل سے گذر رہی ہے۔ درحقیقت بیشتر ہلالی ممالک (مسلم ممالک) میں یہ ان کی مخالف تہذیبوں کے امنے پسپا ہو رہی ہے۔ جو مسلمانوں اور باقی انسانوں کی وفاداری حاسل کرنے کے لیے اس سے مقابلہ کر رہی

ہیں۔ یہ اسلامی تہذیب زوال پذیر ہوتی جارہی ہے۔ اس زوال کی وجہ سے کس کی کوئی ذاتی بنیادی کمزوری یا مخالف تہذیبوں کی اعلیٰ نیکی یا اس دور کی نام نہاد ''جدت پرستی'' نہیں بلکہ اس کا واحد سبب یہ ہے کہ مسلمان خود اس پر عمل پیرا نہیں۔ (ص348)

''اسلامی تہذیب سے ہماری دوری ایک ایسا المیہ ہے جسے تمام عالم اسلام میں پیش کیا جا رہا ہے۔ اس ٹریجڈی کو زیادہ تر ہمارے ''یورپی تہذیب میں رنگے ہوئے دانشور اور قائدین'' پیش کررہے ہیں۔ اس امر کو محسوس کرنے کے لیے انسان کو ان کی ظاہری حالت، ان کی لباس، ان ی عادات، ان کے اطوار اور زندگی کے بارے میں ان کے سارے قطہ نگاہ پر نظر ڈالنے کی ضرورت ہے۔ وہ یورپی تہذیب کے ایجنٹ اور بوزے دکھائی دیتے ہیں حقیقت یہ ہے کہ وہ سب شعوری اور غیر شعوری طور پر یورپی تہذیب کی نقالی کررہے ہیں۔ اپنی مثال اور اس تہذیب کے طرف داروں کی حوصلہ افزائی کے ذریعے یہ دانش ور اور لیڈر حضرات عوام الناس کو وہی طرز عمل اختیار کرنے کے لیے متاثر کررہے ہیں''۔ (بائیسواں باب ص348)

''تاریخ بتاتی ہے کہ جب لوگ اپنی تہذیبوں میں ایمان رکھنا، ان کیمطابق عملی زندگی گذارانا اور انہیں اپنے مذہبوں کے قیمتی تحائف اور اپنے آباؤ اجداد کی قابل فخر میراث کی حیثیت سے بچانا ترک کردیتے ہیں تو وہ تہذیبیں آہستہ آہستہ اپنی توانائی کھوکر ختم ہوجایا کرتی ہیں۔ اس نظریہ تاریخ کی وہ صحائف اور آسمانی نوشتے بھی تصدیق کرتےہیں جو ہمیں بتاتے ہیں کہ قدیم تہذیبیں اصل میں اس لیے ناپید ہوگئیں کہ ان کے ماننے والوں نے خود انہیں چھوڑ دیا تھا۔'' (بائیسواں باب ص348-349)

''ہم پاک لوگ دوبارہ اس مشن کی تکمیل کے لیے کھڑے ہو رہے ہیں جس مشن کے لیے ہم نے 638ء میں اپنے آپ کو وقف کیا اور جس کی خاطر ہم گزشتہ تیرہ صدیوں سے زندہ رہے اور مرے اور جس مشن کے ذریعے ہم اپنی حفاظت اور نجات کے خواہش مند...... اس مشن (مقصد حیات) کو اپنے دلوں میں جاگزین کر کے اپنے سروں پر اللہ اور اس کے رسولؐ کی برکات کا سایہ لے اپنے ہونٹوں پر کلمہ کا ورد کرتے ہوئے اور اپنے ہاتھوں میں قرآن کو تھامتے ہوئے ہم آگے بڑھتے ہیں۔ (بائیسواں باب ص350 - 349)

''ہم سب پاک لوگوں کے دلوں میں یہ بات ضرور مرتسم ہونی چاہیے کہ پاکستان ہماری بنیاد ''دینیہ'' ہمارا میدان عمل لیکن پاکیشیا ہماری منزل مقصود ہے۔ ہمیں اس منزل مراد پر ضرور پہنچنا چاہیے کیونکہ ہماری تقدیر وہاں ہماری منتظر ہے۔

وہاں تقدیر اپنے ہاتھوں میں پاکستان میں ہماری خودمختاری، پاکیشیا میں ہمارے مشن اور دنیا میں ہماری شان و شوکت کی چابی لیے ہمارا انتظار کرتی ہے''۔ (بائیسواں باب ص350)

''ہم جیسے معمولی انسانوں کو اسلام اور ملت (اسلامی ملت) کی سربلندی کے لیے اپنے آپ کو مکمل طور پر وقف کر دینے کے فرض محسوس کرتے ہوئے اسے ضرور ادا کرنا چاہیے۔ (تیسواں باب ص368)

”ٹیپو (سلطان ٹیپو) نے بے عزتی پو موت کو ترجیح دی اور اس نے سرنگاپٹم کے مقام پر برطانوی فوجوں سے لڑتے ہوئے جام شہادت نوش کیا۔ (تیسواں باب ص369)

”ملت اسلامیہ آج کل تقدیر کے چوراہے پر کھڑی ہے...... اسلام کے قوانین کے تحت انتخاب عمل کا ہمیں اختیار دیا گیا ہے مگر اس طرح اللہ اور اس کے رسولؐ کے حضور ہم اس کے ذمہ دار بھی ہیں......“ (تیسواں باب ص372)

”ملت اسلامیہ کی تاریخ...... ہم میں سے ہر ایک کا فیصلہ افراد اور جماعتوں کے مقصد کے ساتھ ہماری وفاداری کے مطابق نہیں کرے گی بلکہ یہ ہمارے اسلامی اور ملی مقصد کے ساتھ ہماری وفاداری کے مطابق ہمیں پرکھے گی۔ (تیسواں باب ص372)

”آیئے! ہم ساری ملت اسلامیہ کی خدمت اور حفاظت اور دینیہ کے براعظم اور اس کے ماتحت ممالک اور صوبہ جات میں تاریخ اسلام میں شان وشوکت کے نئے باب کا اضافہ کرنے کے لیے اپنا سب کچھ داؤ پر لگا دیں۔ (تیسواں باب ص372)

چودھری رحمت علی کویز

حالات زندگی

س: چودھری رحمت علی کب پیدا ہوئے؟

ج: 16 نومبر 1897ء میں۔

س: ان کی جائے پیدائش کیا ہے؟

ج: موضع موہراں تحصیل گڑھ شنکر، ضلع ہوشیار پور، پنجاب (انڈیا)

س: وہ کس خاندان سے تعلق رکھتے تھے؟

ج: گوجر خاندان سے

س: ان کی گوت کیا تھی؟

ج: گورسی۔

س: ان کے والد کا نام کیا تھا؟

ج: حاجی شاہ محمد

س: ان کے والد کے بارے میں تم کیا جانتے ہو؟

ج: ان کے والد حاجی شاہ محمد ایک متوسط زمیندار تھے جن کی زمین ان کے خاندان کی ضروریات کے لیے کافی تھی۔ حاجی شاہ محمد کو اسلام سے بہت لگاؤ تھا۔ ان کی دین داری اور نیک سیرت کی وجہ سے ان کے گاؤں والے ان کی بہت عزت کیا کرتے تھے۔

س: حاجی شاہ محمد کی کتنی بیویاں تھیں اور ان کے کتنے بچے تھے؟

ج: ان کی دو بیویاں تھیں۔ ان کی پہلی بیوی سے دو بیٹیاں تھیں اور وہ نرینہ اولاد سے محروم تھی۔ ان کی دوسری بیوی نے دو لڑکوں ——— رحمت علی اور محمد علی کو جنم دیا تھا محمد علی رحمت علی سے چھوٹا تھا۔

س: چودھری رحمت علی کی سوتیلی ماں کا انتقال کب ہوا تھا؟

ج: جب وہ 1912ء اور 1918ء کے دوران اسلامیہ کالج لاہور میں زیرِ تعلیم تھے۔

س: رحمت علی کے والد کی وفات کب واقع ہوئی؟

ج: اکتوبر 1930ء کے بعد جب رحمت علی انگلستان جا کر مقیم ہو گئے تھے۔

س: چودھری رحمت علی نے کس عمر میں مسجد جانا شروع کیا تھا؟

ج: تین سا کی عمر میں ان کے والد انہیں اپنے ساتھ مسجد لیجانے لگے تھے۔

س: انہوں نے ابتدائی تعلیم کہاں حاصل کی؟

ج: اپنے گاؤں کی مسجد میں۔

س: ان کے پہلے استاد کا نام کیا تھا؟

ج: سید تابع حسین۔

س: انہوں نے پرائمری تک تعلیم کہاں حاصل کی؟

ج: اپنے گاؤں موہراں کے پرائمری سکول میں۔

س: انہوں نے اینگلوورنیکلر کا امتحان کس سکول سے پاس کیا تھا؟

ج: ایک قریبی چھوٹے سے ٹاؤن راہوں (Rahon) کے پرنسپل بورڈ مڈل سے سکول سے۔

س: انہوں نے یہ امتحان کب پاس کیا تھا؟

ج: غالباً 1910ء میں

س: میٹرک کے لیے انہوں نے کہاں داخلہ لیا تھا؟

ج: سائیں داس اینگلو سنسکرت ہائی سکول، جالندھر میں۔

س: میٹرک کا امتحان انہوں نے کب اور کہاں پاس کیا تھا؟

ج: 1912ء میں سائیں داس اینگلو سنسکرت ہائی سکول جالندھر سے ہی۔

س: میٹرک میں چودھری رحمت علی کے مضامین کیا تھے؟

ج: انگریزی، ریاضی، تاریخ، جغرافیہ، اردو اور فارسی۔

س: میٹرک کا امتحان پاس کرنے کے بعد انہوں نے کس کالج میں داخلہ لیا تھا؟

ج: اسلامیہ کالج ریلوے روڈ لاہور میں۔

س: وہ اسلامیہ کالج میں کب داخل ہوئے تھے؟

ج: 1912ء میں۔

س: انہوں نے انٹرمیڈیٹ کا امتحان کب اور کہاں پاس کیا تھا؟

ج: اسلامیہ کالج ریلوے روڈ، لاہور، ہی سے 1915 میں۔

س: اس امتحان میں اکی ڈویثرن کیا تھی؟

ج: سیکنڈ ڈویژن۔

س: ایف اے میں ان کے مضامین کون سے تھے؟

ج: انگریزی، ریاضی، تاریخ، فارسی (لازمی) اور اردو (اختیاری)۔

س: انہوں نے بی۔اے کا امتحان کس کالج اور کب پاس کیا؟

ج: انہوں نے یہ امتحان 1918ء میں اسلامیہ کالج ریلوے روڈ سے پاس کیا تھا۔

س: ان کی ڈویژن کیا تھی؟

ج: سیکنڈ ڈویژن ایک روایت کے مطابق یہ فرسٹ ڈویژن تھی۔

س: بی۔اے میں ان کے مضامین کیا تھے؟

ج: انگریزی، معاشیات، اور فارسی۔

س: چودھری رحمت علی نے بی۔اے تک تعلیم حاصل کرنے میں چار سال کی بجائے چھ سال کیوں لگائے؟

ج: مالی مشکلات کی وجہ سے کہا جاتا ہے کہ اپنے زمانہ طالب علمی میں انہیں اپنے اخراجات پورے کرنے کے لیے پارٹ ٹائم صحافی کی حیثیت سے بھی کام کرنا پڑا تھا۔ غیر نصابی سرگرمیوں کو بھی اس میں دخل ہو سکتا ہے۔

س: اسلامیہ کالج لاہور میں ان کی غیر نصابی سرگرمیاں کیا تھیں؟

ج: وہ اپنے کالج کی مباحثہ سوسائٹی (Debating Society) کے سیکرٹری، اپنے ٹیوٹوریل گروپ (Tutorial Group) کے نائب صدر اور کالج میگزین ''کریسنٹ'' (Crescent) کے ایڈیٹر تھے۔ علاوہ ازیں وہ انٹر کالجیٹ ایسوسی ایشن لاہور کے بھی رکن تھے۔

س: چودھری رحمت علی نے اسلامیہ کالج لاہور میں بزم شبلی کی بنیاد کب ڈالی تھی؟

ج: 1915ء میں جبکہ ان کی عمر 18 سال تھی۔

س: طالب علمی کے زمانہ میں ان کا قیام کہاں تھا؟

ج: اسلامیہ کالج ریلوے روڈ کے ریواز، ہوسٹل (Rivaz Hostel) کے کمرہ نمبر 12 میں۔

س: ''بزم شبلی'' کے اپنے افتتاحی خطاب میں انہوں نے مسلم ریاست کی تشکیل کے بارے میں کیا الفاظ کہے تھے؟

ج: "North of India is Muslim and we will make it Muslim. Not only that. we will make it a Muslim State".

س: شمالی انڈیا میں مسلم مملکت کے قیام کی یہ تاریخ ساز تجویز انہوں نے کس عمر میں پیش کی تھی؟

ج: اٹھارہ سال کی عمر میں جبکہ وہ اسلامیہ کالج لاہور میں طالب علم تھے؟

س: چودھری رحمت علی کی اس تاریخی تجویز کے ثبوت میں حکیم آفتاب احمد قریشی نے کیا لکھا تھا؟

ج: چودھری رحمت علی اسلامیہ کالج لاہور کے نامور طالب علم تھے۔ ان کے ہم سبق شفاء الملک حکیم محمد حسن قرشی، علامہ اقبالؒ کے رفیق چودھری محمد حسین اور خان ثمین جان مرحوم، سابق وزیر تعلیم صوبہ سرحد تھے...... چودھری رحمت علی نے دیگر دوستوں کے ہمراہ لاہور میں ''بزم شبلی'' قائم کی تھی جس کے اجلاس میں انہوں نے 1915ء میں

تقسیم ملک کا انقلاب آفرین نظریہ پیش کیا۔ یہ گویا مطالعہ پاکستان کی ابتداء کی تھی“۔

س: چودھری رحمت علی نے اپنے زمانہ طالبعلمی میں ہی اسلامی انقلاب برپا کرنے کی عزم کن الفاظ میں ظاہر کیا تھا؟

ج: تم اپنے انڈین انقلاب کے لیے کام کرتے ہو لیکن میں اپنے اسلامی انقلاب کے لیے کام کروں گا۔ آخر میں ہمیں معلوم ہو جائے گا کہ انڈیا میں کون سب سے زیادہ حرکی اور تخلیقی انقلاب پیدا کرتا ہے“۔

س: انہوں نے ان الفاظ میں کن لوگوں کو مخاطب کیا تھا؟

ج: انڈین اتحاد کے حامیوں کو۔

س: وہ کس رسالہ کے اسٹنٹ ایڈیٹر رہے تھے؟

ج: منشی محمد ین فوق کے ”کشمیر“ میگزین کے لیے۔

س: ان کی یہ ملازمت کیوں چلی گئی تھی؟

ج: کیونکہ انہوں نے اس رسالہ میں انگریزی حکومت پر تنقید کرتے ہوئے ایک انقلابی مضمون ”مغرب کی کورانہ تقلید“ لکھا تھا۔

س: وہ کب تک اسلامیہ کالج لاہور کے طالب علم رہے تھے؟

ج: 1912ء سے لے کر 1918ء تک۔

س: 1918ء میں اسلامیہ کالج لاہور سے گریجویشن کرنے کے بعد وہ کیا کرتے رہے؟

ج: وہ 1918ء سے 1923ء تک ایچی سن کالج لاہور کی طرف سے امراء کے بچوں کے ٹیوٹر رہے۔

س: شروع میں وہ کس نواب کے بیٹے کے ٹیوٹر مقرر ہوئے تھے؟

ج: نواب آف بہاولپور

س: بعدازاں وہ کس امیر گھرانے کے بچوں کے اتالیق بنے تھے؟

ج: مزاری

س: انہوں نے پنجاب یونیورسٹی لاء کالج میں داخلہ کب لیا تھا؟

ج: غالباً 1923ء میں۔

س: وہ کب تک لاء کالج میں رہے؟

ج: وہ تقریباً دوسال تک وہاں تھے۔

س: کیا انہوں نے پنجاب یونیورسٹی لاء کالج میں اپنی تعلیم مکمل کی تھی؟

ج: نہیں۔شاید اپنی تدریسی مصروفیات اور ملازمت کی وجہ سے وہ ایسا نہ کرسکے۔

س: اس لاء کالج میں ان کے استاد کون تھے؟

ج: چودھری ظفر اللہ خان (سابق وزیر خارجہ، پاکستان) محمد منیر (سابق چیف جسٹس آف پاکستان) مکندلال پوری اور سی ایل انند وغیرہ۔

س: مزاری خاندان کے سردار دوست محمد خاں کے ہاں ان کی ملازمت کی نوعیت کیا تھی؟

ج: پہلے وہ اس کے پرائیوٹ سیکرٹری تھے مگر بعدازاں اس کے قانونی مشیر بنے۔ان کی خاندانی جائیداد کا جب جھگڑا شروع ہوا تو چودھری رمت علی کو قانونی پیروی کے لیے نمائندہ اور مختار خاص بنایا گیا تھا۔

س: سردار دوست محمد خان کا کیس جیتنے پر چودھری رحمت علی کو کتنی رقم ملی تھی؟

ج: ساٹھ یا سٹر سٹھ ہزار روپے۔

س: وہ کتنا عرصہ تک مزاری خاندان کے سردار دوست محمد خاں کی ملازمت میں رہے؟

ج: تقریباً چھ سال (1923ء سے 1929ء کے آخر یا 1930 کے آغاز تک)

س: مزاری خاندان سے تعلقات کہ وجہ سے انہیں کیا فائدہ ہوا؟

ج: مالی خوشحالی نصیب ہوئی اور پنجاب کے امراء اور معروف زمینداروں سے شناسائی ہوئی۔

س: مزاری خاندان کی ملازمت کے دوران ان کی رہائش کہاں تھی؟

ج: رن چند روڈ پر واقع ایک مکان میں۔ بعد ازاں پونچھ ہاؤس کے سامنے واقع ایک بنگلہ میں۔

س: ان کے حلقہ احباب میں کون لوگ تھے؟

ج: ڈاکٹر یار محمد خاں، سر شہاب الدین، ملک غلام محمد اکالا باغ، ڈاکٹر محمد دین تاثیر، پروفیسر خواجہ دل محمد، ماسٹر رحمت جالندھری، دیوان سنگھ مفتون، نواب مظفر خان، ملک زمان مہدی وغیرہ ان کے خاص احباب تھے۔ مندرجہ ذیل حضرات کے اتھ بی ان کے دوستانہ مراسم تھے۔

سرگودھا کے نواب سر عمر حیات ٹوانہ، چودھری غلام عباس (مشہور کشمیری لیڈر)، میاں احمد یار خاں دولتانہ، ملتان کے، نواب عاشق حسین قریشی، نواب محمد حیات نون، جہلم کے راجہ غضنفر علی، گجرات کے نواب فضل علی۔

س: لاہور میں ان کے سب سے زیادہ عزیز اور گہرے دوست کون تھے؟

ج: ڈاکٹر یار محمد خاں

س: 1930ء میں انگلستان جانے سے پہلے چودھری رحمت علی نے کسے اپنا روپیہ پیسہ بطور امانت دیا تھا؟

ج: ڈاکٹر یار محمد کو۔

س: چودھری رحمت علی نے چودھری شہاب الدین (بعد میں سر شہاب الدین بنے) کو کیسے اور کب الیکشن میں کامیاب کروایا تھا؟

ج: چودھری شہاب الدین اپنے علاقہ سیالکوٹ سے الیکشن لڑنا چاہتے تھے۔ جب چودھری سر ظفر اللہ خاں ان کے مقابلے میں آئے تو چودھری شہاب الدین کو سیالکوٹ میں اپنی کامیابی مشکل نظر آئی۔ اس وقت چودھری رحمت علی نے انہیں 1926ء میں اپنے شہر ہوشیار پور سے الیکشن لڑوا کر کامیاب کرایا تھا۔

س: عمانوئیل کالج کیمبرج میں ان کا ٹیوٹر کون تھا؟

ج: ایڈورڈ ویلبورن (Edward Welbourne)

س: انہوں نے کہاں سے اور کب بیرسٹری کا امتحان پاس کیا تھا؟

ج: انہوں نے 26 مارچ 1943ء کو یہ امتحان مڈل ٹمپل ان (Middle Temple Inn) لندن، سے پاس کیا تھا۔

س: انگلستان میں ان کی اعلیٰ تعلیم 1931ء میں شروع ہوئی اور یہ 1943ء میں مکمل ہوئی۔ اتنا طویل عرصہ کیوں لگا؟

ج: وہ نومبر 1930ء میں یہاں آئے تھے۔ وہ انڈین سیاست کا پر آشوب دور تھا۔ انہیں سیاسی اور ملی امور میں گہری دلچسپی تھی۔ انڈین وفاق اور دیگر ہندو مسلم تنازعات کے حل کے لیے لندن میں گول میز کانفرنسوں کا سلسلہ 1930ء میں شروع ہو گیا تھا۔ انہوں نے ملکی، ملی اور اسلامی مفادات کو اولیت دیتے ہوئے اپنی سیاسی سرگرمیاں شروع کر دیں اور اپنی تعلیم کی طرف بھرپور اور مسلسل توجہ نہ دی۔ اس لیے انہیں اپنی اعلیٰ تعلیم کو مکمل

کرنے میں بارہ سال لگ گئے۔

س: چودھری رحمت علی انگلستان میں اپنے آخری دم تک کہاں کہاں رہے تھے؟

ج: 1932ء کے آخر یا 1933ء کے آغاز میں ان کا پتہ تھا:

(i) 3 Humberstone road, Combridge ——

3 ہمبرسٹون سے انہوں نے اپنا پہلا اہم پمفلٹ ناؤ اور نیور (Now or Never) جاری کیا تھا۔

ان کا دوسرا پتہ یہ تھا 16 مانٹیگو روڈ کیمبرج

(ii) 16 Montague Road, Combridge.

چودھری رحمت علی کے متعدد پمفلٹ اور دیگر نگارشات کے لیے زیادہ تر یہی پتہ استعمال ہوتا رہا۔ یہاں سے نئی جگہ پر منتقل ہونے کے بعد بھی وہ نشرواشاعت کے لیے یہی پتہ استعمال کرتے رہے اور اپنی ڈاک لینے کے لیے یہاں آتے تھے۔ ان کے دیگر پتے یہ تھے:

(iii) St. Winifride, Woodlark Roada, Combridge

(iv) 9 Highfield Avenue, Cambridge

(v) 91 Hurts Park Avenue, Cambridge

اس کے بعد وہ دو اور مقامات میں رہائش پذیر رہے تھے۔

سیاسی سرگرمیاں

س: انگلستان میں ان کی سیاسی سرگرمیوں کا آغاز کس تحریر سے ہوا؟

ج: انہوں نے اپنا ایک چھوٹا مگر تاریخ ساز پمفلٹ ''ناؤ اور نیور'' (Now or Never) یعنی اب یا کبھی نہیں جاری کیا۔

س: ''ناؤاور نیور'' یعنی اب یا کبھی نہیں کب اور کہاں سے جاری کیا گیا تھا؟

ج: انہوں نے اسے 26 جنوری 1933ء کو 3 ہمبر سٹون (Humberstone) روڈ کیمبرج سے جاری کیا تھا۔

س: ''ناؤاور نیور'' کی سیاسی اہمیت کیا ہے؟

ج: چودھری رحمت کا یہ کتابچہ (پمفلٹ) چند صفحات پر مشتمل ہے مگر اس میں بے حد اہم اور عہد آفرین باتیں درج ہیں۔ اس میں انہوں نے انڈین فیڈریشن کی شدید مخالفت کی اور اس کی جگہ انڈیا کے مسلم اکثریت کے حامل پانچ علاقوں یعنی پنجاب، شمال مغربی سرحدی صوبہ، کشمر، سندھ اور بلوچستان پر مشتمل مسلم فیڈریشن کا نظریہ پیش کیا۔ اس طرح انہوں نے متحدہ انڈین قومیت کو رد کرتے ہوئے مسلم قومیت کی حمایت کی اور اس کے جواز میں متعدد ٹھوس دلائل پیش کیے۔ چودری مرحوم انڈیا سے الگ اور خودمختار مسلم مملکت کے قیام کے زبردست حامی تھے۔ انہوں نے اس پمفلٹ میں انڈین فیڈریشن کے حامی سیاستدانوں پر یہ واضح کرنے کی کوشش کی تھی کہ مسلمان اور ہندو ایک قوم نہیں بلکہ وہ مختلف نظریہ حیات اور مختلف ثقافت کے علمبردار ہیں اس لیے انہیں متحدہ ملک اور متحدہ قوم میں شمار نہیں کرنا چاہیے۔ بعد ازاں انہوں نےقیام پاکستان

کے مطالبہ کو اپنی اور تحریروں میں بھی بڑی شد و مد کے ساتھ جاری رکھا۔ ان کی اس کوشش سے تحریک پاکستان کو بڑی تقویت ملی اور اس پر عام بحث کا آغاز ہو گیا۔

س: انہوں نے سب سے پہلے اپنے کس پمفلٹ میں لفظ پاکستان کا ذکر کیا تھا؟

ج: ''ناؤ اور نیور'' پمفلٹ میں۔

س: انہون نے لفظ پاکستان کب تخلیق کیا تھا؟

ج: 1932ء کے آخر میں اس وقت وہ کیمبرج میں رہا کرتے تھے۔

س: لفظ پاکستان کے بارے میں چودھری رحمت علی نے کیا لکھا؟

ج: انہوں نے اپنے پمفلٹ ''ناؤ اور نیور'' میں اسے پہلی مرتبہ کیا تھا اور اس کے بارے میں وہ لکھتے ہیں:

pakistan ... the fine Northern units of india. Punjab, N.W.F.P... Kashmir, Sindh and Baluchistan.

اس پمفلٹ میں انہوں نے ''Pakistan کی بجائے اسے Pakstan تحریر کیا تھا یعنی حرف (I) کے بغیر۔ معانی تبدیل نہیں ہوئے کیونکہ پاک ستان یا پاکستان کا مطلب ہے پاک لوگوں کی سر زمین۔ اس کے انہوں نے اپنی ایک ضخیم کتاب Fatherland of the Pak Nation یعنی پاکستان —— پاک قوم کا آبائی وطن'' میں لفظ پاکستان کی تشریح کی تھی۔

س: برٹش پارلیمنٹ میں لفظ ''پاکستان'' کا کب ذکر ہوا تھا؟

ج: مئی 1935ء میں جب ہاؤس آف کامنز (دارالعلوم) میں انڈیا بل پر بحث ہو رہی تھی۔

س: ''ناؤاور نیور'' کونمائندہ حیثیت دینے کے لیے انہوں نے کن لوگوں کواس پر دستخط کرنے میں شامل کیا تھا؟

ج: محمد اسلم خاں خٹک، صاحبزادہ شیخ محمد صادق، اور عنایت اللہ خاں۔

س: ''ناؤاور نیور'' پر چودھری صاحب نے اپنے دستخط کس طرح کیے تھے؟

ج: Rahmat Ali (Choudhary)

س: کیا'' ناؤاور نیور'' لکھنے میں انہوں نے اپنے ساتھ کسی اور کو شریک کیا تھا؟

ج: ہرگز نہیں۔ یہ پفلٹ ان کی ذاتی تحریر کا آئینہ دار ہے۔

س: چودھری رحمت علی نے'' پاکستان نیشنل موومنٹ'' کی بنیاد کب رکھی تھی؟

ج: 1933ء میں۔

س: پاکستان نیشنل موومنٹ کے بنیادی اغراض ومقاصد کیا تھے اور انہوں نے کونسا پمفلٹ ان کی وضاحت کے لیے لکھا تھا؟

ج: انہوں نے اس بارے میں ایک پمفلٹ تحریر کیا تھا جس کا نام ہے:

"Whot doe the Pakistan National Movment Stand fo

(1) ہندوستانیت کے نظریے کی مذمت (2) انڈیشن فیڈریشن کے تصور کی مخالفت (3) روحانی، ثقافتی، سماجی، اقتصادی، اور قومی آزادی کی اہمیت کی وضاحت (4) وسیع تر پاکستان اور عالم اسلام کے اتحاد پر زور (5) اور دیگر اہم قومی اور ملی مسائل کا حل۔

س: جرمنی میں چودھری رحمت علی کے پمفلٹ'' ناؤاور نیور'' کا ترجمہ کب شائع ہوا تھا؟

ج: 1937ء میں۔

س: جرمنی میں انہوں نے نظریہ پاکستان کی اشاعت کے لیے کیا کام کیا تھا؟

ج: انہوں نے 1937ء میں جرمنی کے کئی شہرون میں جا کر وہاں کے طلباء اور اساتذہ سے ملاقاتیں کی اور انہیں اپنے تصور پاکستان سے روشناس کرایا تھا۔

س: کس مشہور عرب سکالر نے اپنے رسالے میں پاکستان کے بارے میں آرٹیکل تحریر کرایا تھا۔

ج: لبنان کے معروف عرب سکالر شکیب ارسلان نے اپنے رسالے (Les Nations Arabes) میں چودھری رحمت علی ی درخواست پر پاکستان سے متعلق ایک مقالہ سپرد قلم کیا تھا۔ یہ رسالہ اس وقت جینوا سے شائع ہوتا تھا۔

س: چودھری رحمت علی کی مشہور ترک ادیب "خالدہ ادیب خانم" سے کب دو ملاقاتیں ہوئی تھیں؟

ج: انہوں نے خالدہ ادیب خانم سے پہلی ملاقات 16 مئی 1937 کو لندن میں اور دوسری ملاقات 7 یا 17 اگست ء کو پیرس میں کی تھی۔

س: ان دو ملاقاتوں کا مقصد کیا تھا؟

ج: خالدہ ادیب خانم نے 36-1935ء میں انڈیا کے سیاسی حالات کو جاننے کے لیے وہاں کا دورہ کیا اور وہ اپنے تاثرات کو ایک کتاب میں تحریر کرنا چاہتی تھی۔ چودھری رحمت علی نے اسے اپنی کتاب میں نظریہ پاکستان کو شامل کرنے پر قائل کر لیا چنانچہ خالدہ ادیب خانم نے اپنی کتاب (Inside India) (اندورن ہند) میں اپنے تاثرات کے علاوہ چودھری رحمت علی کے تصور پاکستان پر مشتمل ایک باب کو انٹرویو کی شکل میں بھی پیش کیا تھا۔ یہ کتاب 1937ء کے آخر میں لندن مین چھپی تھی۔

س: پاکستان پر مشتمل باب کا اردو ترجمہ کس نے کیا تھا؟

ج: مشہور پاکستانی صحافی خورشید عالم نے جن کا قلمی نام جہاں گرد تھا۔

س: پاکستان کے بارے میں اس باب کا اردو ترجمہ کس روزنامہ میں شائع ہوتھا؟

ج: روزنامہ احسان، لاہور اور روزنامہ انقلاب لاہور نے اسے 16 جولائی 1938ء میں اپنے اپنے اخبار میں جگہ دی تھی۔

س: چودھری رحمت علی کے ساتھ خالدہ ادیب خانم کے انٹرویو کا لب لباب کیا ہے؟

ج: اس انٹرویو میں چودھری رحمت علی نے خالدہ ادیب خانم کو مطالبہ پاکستان کے تاریخی، سیاسی ثقافتی، مذہبی اقتصادی اور آئینی پس منظر اور اس کے پیش منظر سے روشناس کرایا اور اسے بتایا کہ پاکستان کی تشکیل مسلمانوں کیعلاوہ ہندوؤں اور انگریزوں کیلیے بھی مفید اور پرامن تعلّقات کا باعث ہوگی۔ انہوں نے اپنی سیاسی تنظیم ''پاکستان نیشنل موومنٹ'' کے اغراض اور ان کی اہمیت وافادیت پر بھی روشنی ڈالتے ہوئے اسے آزادی ملت کی ترجمان قرار دیا۔

س: چودھری رحمت علی نے انڈیا کو دینیہ کیوں لکھا تھا؟

ج: انہوں نے تاریخی حوالوں سے ثابت یا ہے کہ انڈیا میں صرف ہندو قوم ہی آباد نہیں بلکہ یہاں دیگر مذاہب کے ماننے والے مثلاً مسلمان سکھ، عیسائی وغیرہ بھی بستے ہیں اس لیے اسے ہندوستان، یعنی ہندوؤں کی سرزمین کہنا بالکل غلط ہے۔ اس کے علاوہ وہ انڈیا کو واحد ملک قرار دینے کی بجائے اسے کئی ممالک پر مشتمل براعظم تصور کرتے تھے۔ انڈیا کو دینیہ کہنے سے ان کی مراد یہ تھی کہ اس میں کئی ادیان اور مذاہب کے پیروکار رہتے ہیں کہ کہ صرف ہندو لوگ ہی۔

س: کیا چودھری رحمت علی وسیع تر پاکستان کے حامی تھے؟

ج: ہاں۔قیام پاکستان کا مطالبہ ان کی تنظیم ''پاکستان نیشنل موومنٹ'' کا اولین مرحلہ تھا۔ وہ سب سے پہلے مسلم اکثریت کے حامل پانچ صوبوں کو ملا کر ایک جداگانہ اور خودمختار مسلم ریاست بنانے کے درپے تھے۔اس کا نام انہوں نے ''پاکستان'' تجویز کیا جس میں وہ پنجاب، شمالی مغربی سرحدی صوبہ کشمیر سندھ اور بلوچستان کو شامل کروانے کے خواہاں تھے۔

س: انڈیا میں بقیہ مسلمانوں کے بارے میں ان کے نظریات کیا تھے؟

ج: انڈیا میں مقیم باقی ماندہ مسلمانوں کو وہ بے یارومددگار چھوڑنے کے خلاف تھے اس لی وہ ان کی آزادو بقاء کے لے بھی بے چین تھے۔اس طرح انڈیا کے باقی علاقوں میں بھی وہ آزاداور خودمختار مسلم ریاستوں کی تشکیل کرنیکا منصوبہ رکھتے تھے تاکہ عظیم تر پاکستان بن جائے۔یہ ان کے تصور پاکستان کا دوسرا اہم مرحلہ تھا۔

س: چودھری رحمت علی نے وسیع تر پاکستان کے علاقوں کے کیا نام تجویز کیے تھے؟

ج: (1) بانگستان (بنگال اور آسام پر مشتمل علاقہ)

(2) عثمانستان (حیدرآباد دکن کا علاقہ)

(3) صدیقستان ——— مالوہ اور بندھیل کھنڈ کا علاقہ

(4) فاروقستان ——— بہار اور اڑیسہ کا علاقہ

(5) حیدرستان ——— آگرہ اور اودھ کا علاقہ

(6) ماپلستان ——— مالابار کا ساحلی علاقہ

(7) معینستان ——— راجستھان کا علاقہ

(8) ناصرستان —— سیلون کا مشرقی علاقہ

(9) صافستان —— سیلون کے اردگرد واقع جزائر کی مسلم آبادی والا علاقہ

پاکستان میں آمد

س: چودھری خلیق الزمان سے ان کی انگلستان میں ملاقات کب ہوئی تھی؟

ج: نومبر یا دسمبر 1938ء میں۔

س: چودھری رحمت علی پہلی بار کب وطن واپس آئے تھے؟

ج: وہ پانچ فروری 1940ء کو براستہ جاپان، ہانگ کانگ اور سری لنکا بمبئی پہنچے اور وہاں سے کراچی آئے۔

س: وہ لاہور کیوں نہ آسکے؟ جب انہیں لاہور آنے سے روکا گیا تو وہ کہاں ٹھہرے تھے؟

ج: غالباً حکومت پنجاب نے انہیں لاہور آنے کی اجازت نہ دی اس وقت حکومت پنجاب کے وزیراعلیٰ سر سکندر حیات خاں تھے۔ قرارداد لاہور سے چند دن پہلے مارچ 1940ء میں لاہور میں خاکساروں پر حکومت کے حکم سے گولی چلائی گئی تھی۔ ہوسکتا ہے کہ حکومت پنجاب نے چودھری رحمت علی کی حق گوئی، بے باکی اور انقلابی نظریات کو پیش نظر رکھتے ہوئے ایسا قدم اٹھایا ہو۔ جب انہیں لاہور آنے سے روک دیا گیا تو وہ کراچی ہی میں ٹھہرے رہے اور صرف وہاں اپنے چھوٹے بھائی چودھری محمد علی ہی سے مل سکے۔ وہ باقی عزیزوں اور دوستوں کی ملاقات سے محروم رہے۔

س: کراچی میں چودھری رحمت علی کی سرگرمیاں کیا تھیں؟

ج: انہوں نے پہلی بار انگلستا سے باہر اپنی تنظیم ''پاکستان نیشنل مومنٹ'' کی سپریم کونسل کا اجلاس 22 مارچ 1940ء کو کراچی میں بلایا اور اس سے خطاب کیا۔

س: اس سپریم کونسل کے اجلاس میں انہوں نے جو تقریر کی تھی اس کا خلاصہ کیا ہے؟

ج: چودھری رحمت علی کی تقریر کا مرکزی خیال یہ تھا کہ ہندوستانیت اور وطنیت کی بنیاد پر متحدہ انڈین نیشلزم کا پر فریب نظریہ اب اسلامیان ہند کے لیے بالعموم اور بنگال اور حیدر آباد دکن کے مسلمانوں کے لیے بالخصوص زندگی اور موت کا مسئلہ ہے۔ اگر وہ ہندوستانیہ یعنی متحدہ انڈین وطن اور مشترکہ انڈین قومیت کے جال سے باہر نہ نکلے ت وہ ہندوؤں کے غلام بن جائیں گے اس لیے انہیں حق خودرادیت کا مطالبہ کر کے آزادی حاصل کرنے چاہیے۔ اس خطاب میں انہوں نے بنگال اور آسام کی مسلم آبادی پر مشتمل علاقے کو بانگ اسلام، قرار دیتے ہوئے بانگستان کا نام دیا۔ اسی طرح حیدر آباد دکن کی مسلم آبادی والے علاقے کو عثمانستان کہا گیا تھا۔

س: چودھری رحمت علی کے اس خطاب کو تحریر شکل دیتے ہوئے کیا نام دیا گیا تھا؟

ج: The Millat of Islam and the Menace of Indianism (ملت اسلام اور ہندوستانیت کا خطرہ)

س: چودھری رحمت علی کراچی سے انگلستان کب واپس گئے تھے؟

ج: وہ مئی 1940ء میں بحری جہاز کے ذریعے کراچی سے روانہ ہوئے اور 4 جون 1940ء کو کیمبرج (انگلستان) پہنچ گئے۔

س: چودھری رحمت علی انگلستان سے دوسری بار کب وطن واپس آئے تھے؟

ج: وہ 6 اپریل ء کو انگلستان سے پاکستان آئے اور لاہور میں قیام کیا۔

س: لاہور میں وہ اپنے کس دوست کی کوٹھی پر آ کر ٹھہرے تھے؟

ج: ڈاکٹر یار محمد خاں کے ہاں 3 میکلوڈ روڈ پر۔

س: جب وہ لاہور کے ہوائی اڈے پر اترے تو ان کا استقبال کرنے والوں میں ان کے دو نمایاں دوست کون تھے؟

ج: ڈاکٹر یار محمد خاں اور چودھری سر شہاب الدین۔

س: لاہور میں مہاجرین کی حالت زار دیکھ کر انہوں نے کسے خط لکھا تھا؟

ج: اگست 1948ء کو انہوں نے اقوام متحدہ کے سیکرٹری جنرل کو خط لکھ کر مہاجرین کی حالت زار سے آگاہ کیا۔

س: وہ پاکستان کے حالات سے بددل ہو کر کب انگلستان واپس چلے گئے تھے؟

ج: یکم اکتوبر 1948ء کو۔

آخری ایام اور موت

س: چودھری رحمت علی کے آخری پمفلٹ کا نام کیا تھا؟

ج: Pakistan or pastan? Destiny or disintegration

س: یہ آخری پمفلٹ کب اور کہاں سے شائع ہوا تھا؟

ج: 28 جنوری 1950ء کو کیمبرج سے۔

س: اس پمفلٹ کا مرکزی نظریہ کیا تھا؟

ج: چودھری رحمت علی نے اس میں کشمیر اور پاکستان کے باہمی ربط اور اہمیت کو اجاگر کیا تھا۔

س: چودھری رحمت علی کی موت کیسے واقع ہوئی تھی؟

ج: وہ اپنی پرانی رہائش گاہ 16 مانٹیگو روڈ (Montague Road) کیمبرج سے 29 جنوری 1951ء کو اپنی ڈاک لینے کے لیے شام کو آئے۔ اس وقت شدید بارش ہو رہی تھی اور سردی بھی کافی تھی۔ وہ جلدی میں اپنے ساتھ اپنا اوورکوٹ اور چھتری لانا بھول گئے۔ انہیں سردی لگنے کی وجہ سے ایولن نرسنگ ہوم (Evelyn Nursing Home) کیمبرج میں 21 جنوری کو علاج کے لیے داخل کیا گیا۔ علاج کامیاب نہ رہا اور وہ 3 فروری 1951ء کو ایک بجے بعد از دوپہر اپنے خالق حقیقی سے جا ملے۔ انا لله وانا الیه راجعون

س: 16 مانٹیگو روڈ کی لینڈ لیڈی کا نام کیا تھا؟

ج: مس اے واٹسن (Miss A. Watson)

س: ان کے علاج اور کفن دفن کے پیسے کس نے دیئے تھے؟

ج: عمانوئیل کالج میں ان کے پرانے ٹیوٹر مسٹر ویل بورن (Mr. WelBourne) نے۔ کالج والوں نے انہیں بعد ازاں وہ رقم ادا کر دی تھی۔

س: چودھری رحمت علی کی تجہیز و تکفین اور نماز جنازہ کا کس نے انتظام کروایا تھا؟

ج: ان کے ٹیوٹر مسٹر ویل بورن نے۔

س: اسلامی طریقہ کے مطابق کس نے یہ انتظام کروایا تھا؟

ج: ایک مسلمان عزت ہندیہ نے۔

س: چودھری رحمت کو کب اور کہاں دفن کیا گیا تھا؟

ج: انہیں 20 فروری 1951ء کو منگل کے روز تین بجے بعد از دوپہر نیو مارکیٹ روڈ پر واقع کیمبرج سٹی کے قبرستان میں دفن کیا گیا تھا۔ قبرستان کا پتہ یہ ہے:

Cambridge City Cemetery, New Market Road,

س: ان کی قبر کا نمبر کیا ہے؟

ج: اس قبرستان کے رجسٹر میں ان کی قبر کا نمبر ہے: B-8330

س: کیا وہ کیمبرج کے قبرستان میں امانتاً دفن ہیں؟

ج: اکثر ایسا ہی خیال کیا جاتا ہے۔

س: ان کی یاد تازہ رکھنے کے لیے کیا کچھ کیا گیا ہے؟

ج: پاکستان میں متعدد علمی، سماجی اور فلاح کام کرنے والی تنظیمیں ان کی یاد میں قائم ہیں۔ چند رسائل وجرائد، میں بھی ان کے کارناموں کا تذکرہ ہوتا ہے۔ گوجر برادری نے کچھ ماہنامے بھی جاری کر رکھے ہیں۔ ہفتہ وار ''گوجر گزٹ'' عرصہ دراز سے چودھری رحمت علی کی ملی، قومی اور اسلامی خدمات واجاگر کرتا رہتا ہے۔ ماہنامہ ''گوجر گونج'' اور ماہنامہ ''صدائے گوجر'' بھی اس مشن کو فروغ دینے میں مصرف ہیں۔ ٹاؤن شپ لاہور میں ایک وسیع خطہ اراضی پر چودھری رحمت سے منسوب سکول مسجد اور ڈسپنسری بھی فلاح عامہ کا ذریعہ ہیں۔

چودھری رحمت علیؒ کی تصانیف

س: چودھری رحمت علیؒ کی اہم تصانیف کونسی ہیں اور ان کا مرکزی خیال کیا ہے؟

ج: ان کی درج ذیل تصانیف ہیں۔

(1) ''ناؤ اور نیور'' (Now or Never)۔ چودھری رحمت علیؒ نے اپنا یہ پہلا اور اہم ترین کتابچہ (پمفلٹ) 21 جنوری 1933ء کو کیمبرج سے شائع کیا تھا۔ اس مختصر سی نگارش میں انہوں نے پہلی بار لفظ ''پاکستان'' استعمال کیا اور پاکستان کا مطالبہ پیش کیا۔ انہوں نے انڈین قومیت کو رد کرتے ہوئے مسلم قومیت اور انڈیا سے الگ اور خودمختار مسلم مملکت کے قیام پر زور دیا تھا۔ یہ ان کا اولین اور تاریخ ساز پمفلٹ سیاسی اور علمی حلقوں میں بحث و تمحیص کا موضوع بن گیا تھا۔

2. (What does the Pakistan movement Stand for?)

اس پمفلٹ کو بھی انہوں نے کیمبر سے 1933ء میں جاری کیا تھا جس میں پاکستان نیشنل موومنٹ کیا اغراض و مقاصد پر روشنی ڈالی گئی تھی۔ انہوں نے 1933ء ہی میں اپنی اس تنظیم یعنی پاکستان نیشنل موومنٹ (پاکستان کی قومی تحریک) کی بنیاد ڈال دی تھی۔ اس پمفلٹ میں ہندوستانیت (Indianism) کی مخالفت اور مسلمانا ہند کی آزادی کی حمایت کی گئی تھی۔

3. "Islamic Fatherland and the indian Federation"

(اسلامی آبائی وطن اور انڈین وفاق) یہ پمفلٹ کیمبرج سے 1935ء میں شائع کیا گا تھا۔ اس میں انہوں ے اس امر پر زور دی اکہ مسلمان اور ہندو دو الگ قوم ہیں۔ اس لیے مسلمان ایک

جداگانہ مسلم ریاست کا مطالبہ کرنے میں حق بجانب ہیں۔اس میں انڈین فیڈریشن کے نظریے کی تردید میں ہندوؤں اور مسلمانوں کے سماجی، ثقافتی، تاریخ اور مذہبی اختلافات کا حوالہ دیا گیا تھا۔

4. The Millat of Islam and the Menace of Indianism

(ملت اسلامیہ اور ہندوستانیت کا خطرہ)

اس پمفلٹ میں چودھری رحمت علی کی اس تقریر کو کتابچہ کی شکل میں پیش کیا تیا ہے جوانہوں نے کراچی میں 22 مارچ 1940ء کا پاکستان نیشنل موومنٹ کی سپریم کونسل کے اجلاس میں کی تھی۔اس کتابچہ کی تقسیم 15 اگست کو بروائے کار آئی۔اس پمفلٹ میں انہوں نے ہندوستانیۃ پرمبنی متحدہ انڈیا اور متحدہ انڈین قومیت کے نظریے کو مسلمانوں کے لیے موت اور اسلامی تصور قومیت کو ان کی زندگی قرار دیا تھا۔اس خطاب میں انہوں نے بنگال اور حیدرآباد دکن کے مسلمانوں کو آزادی پر ابھارا اور ان کے مفوزہ آزاد علاقوں کو ''بانگستان'' اور ''عثمانستان'' کا نام دیا تھا۔

5۔(ملت اور نصب العین) The Millat and the mission

یہ پمفلٹ کیمبرج سے اکتوبر 1942ء کو شائع کیا گیا تھا۔اس میں ملت اسلامیہ کے اتحاد اور استحکام کے بارے میں سات راہنما اصول بیان کیے گئے تھے تاکہ پاکستان، بانگستان، اور عثمانستان کے مسلمانوں کے علاوہ براعظم انڈیا کی بقیہ مسلمان بھی اپنی سیاسی آزادی حاصل کرکے ملت اسلامیہ کے اتحاد اور طاقت کا ذریعہ بنیں اور پانی ایک تنظیم ''پاک کامن ویلتھ آف

نیشنز" بنا سکیں۔ مزید برآں چودھری رحمت علی نے انہیں یہ بھی مشوری دیا کہ وہ انڈیا کو "دینیہ" (بہت سے مذاہب اور ادیان کے پیروکاروں کی سرزمین) میں تبدیل کر کے اپنے علیحدہ اسلامی تشخص کی حفاظت کریں۔

6. The Millat and HER Minorites: Foundation of Faruqistan.....

(ملت اور اس کی اقلیتیں: فاروقستان کی بنیاد......)

یہ پمفلٹ 15 مارچ 1943ء کو کیمبرج سے جاری کیا گیا تھا۔ اس پمفلٹ میں بہار اور اڑیسہ کے مسلمانوں کو اپنا آزاد اور خود مختار علاقہ بنانے کا مشورہ دیا گیا تا کہ وہ متحدہ انڈیشن میں مدغم ہو کر اپنا ملی اور سلامی تشخص نہ کھو دیں۔

7. The Millat and HER Minorities Foundation of Hideristan.....

(ملت اور اس کی اقلیتیں: حیدرستان کی اساس......)

یہ پمفلٹ بھی 15 مارچ 1943ء کو کیمبرج سے جاری کیا گیا تھا۔ اس پمفلٹ میں حیدرآباد دکن کے مسلمانوں کے لیے ایک خود مختار ریاست کی تشکیلکی تجویز پیش کی گئی اور اسے "حیدرستان کا نام دیا گیا۔

8. The Millat and HER Minorities Foundation of Maplistan.....

(ملت اور اس کی اقلیتیں: واپلستان کی بنیاد......)

یہ پمفلٹ بھی 15 مارچ 1943ء کو کیمبرج سے جاری کیا گیا تھا۔ اس پمفلٹ میں ساؤتھ انڈیا

کے مسلمانوں کے لیے ایک آزاد ملک کے قیام کی تجویز پیش کی گئی اور اسے ''ماپلستان'' یعنی موپلہ مسلم لوگوں کی سرزمین کا نام دیا گیا۔

9. The Millat and HER Minorities Foundation of Muinistan.....

(ملت اور اس کی اقلیتیں: معینستان کی بنیاد......)

اس پمفلٹ کو بھی چودھی رحمت علی نے 15 مارچ 1943ء کو کیمبرج سے جاری کیا تھا۔ اس مُں انہوں نے راجستھان کے مسلمانوں کو اپنا ایک الگ آزاد مسلم وطن بنانے پر ابھارا تا کہ وہ ہندوؤں کی غلامی کے چنگل سے محفوظ ہوسکیں۔ اس آزاد ملک کا نام انہوں نے خواجہ معین الدین چشتیؒ کی نسبت سے ''معینستان'' (خواجہ معینؒ کا علاقہ) رکھا تھا۔

10. The Millat and HER Minorities Foundation of Siddiqistan.....

(ملت اور اس کی اقلیتیں: صدیقستان کی بنیاد......)

یہ پمفلٹ بھی 15 مارچ 1943ء کو کیمبرج سے جاری ہوا۔ اس میں سنٹرل انڈیا کے مسلمانوں کے لیے ایک آزاد، وطن 'صدیقستان'' کے قیام پر تجویز پیش کی گئی تھی۔

11. The Millat and HER Minorities Foundation of Safistan.....

(ملت اور اس کی اقلیتیں: صافستان کی بنیاد......)

یہ پمفلٹ بھی 15 مارچ 1943ء کو کیمبرج سے جاری کیا گیا تھا۔ اس پمفلٹ میں مغربی سیلون

کے مسلمانوں کو اپنے آزاد وطن کی تشکیل پر ابھارا گیا جس کا نام ''صافستان'' رکھا۔(حضرت آدمؑ کا لقب ''صفی اللہ'' یعنی اللہ کا انتخاب کردہ پیغمبر) ہے۔روایت ہے کہ حضرت آدمؑ جب زمین پر اترے تو انہوں نے سب سے پہلے سیلون میں رہنا شروع کیا تھا۔اس پاک نسبت کی وجہ سے چودھری رحمت علیؒ نے اسے ''صافستان'' (آدم صفی اللہ کی سرزمین) کا نام دیا ہے۔

12. The Millat and HER Minorities Foundation of Nasaristan.....

(ملت اور اس کی اقلیتیں: ناصرستان کی بنیاد......)

یہ پمفلٹ بھی 15 مارچ 1943ء کو کیمبرج سے جاری کیا گیا تھا۔مشرقی سیلون کے مسلمانوں کی ایک علیحدہ مسلم ریاست کی تخلیق کے لیے یہ نام تجویز کیا گیا تھا۔

13. The Millat and HER Minorities Foundation of the all Dinia Milli Movement

(ملت اور اس کی دس اقوام: آل دینیہ ملی موومنٹ کی تاسیس)

یہ چھوٹی سی کتاب کیمبرج سے ہی 14 جون 1944ء کو شائع کی گئی تھی۔اس میں چودھری رحمت علی نے ''انڈیا'' کو ''دینیہ'' (بہت سے ادیان کے ماننے والے لوگوں کی سرزمین) کہا ہے تاکہ ہندوؤں پر واضح کیا جائے کہ اسے ہندوستان یا انڈیا کہنا غلط ہے کیونکہ اس براعظم میں مسلمان، سکھ، عیسائی، بدھ مت کے پیروکار اور اچھوت بھی رہتے ہیں۔اسے براعظم کہنے کی ایک اہمیت یہ بھی ہے کہ انڈیا واحد لک نہیں بلکہ یہ دیگر اقوام کے ممالک بھی اپنے اندر رکھتا ہے اس لیے دیگر قومیں ہندوؤں سے الگ خود مختار علاقوں کی تشکیل کی حق دار ہیں۔چودھری صاحب اپنی پاک پلان، کے تحت انڈیا کے دس مختلف علاقوں میں مقیم مسلمانوں کے دس آزاد علاقوں کو متحد اور

مضبوط بنانے اوران کی پاک کامن ویلتھ میں شمولیت کے حامی تھے۔اس مسلم اتحاد کا مقصد ہندوؤں ے مجوزہ راج کے قیام کی سازش کوناکام بنانا تھا۔

14. India: The Continent of Dinia or the Country of Doom?

(انڈیا: دینیہ کا براعظم یا تباہی کا ملک)

یہ پمفلٹ 15 مئی 1946ء کی کیمبرج سے جاری کیا گیا تھا۔اس پمفلٹ کا مرکزی تصور یہ ہے کہ انڈیا ایک براعظم ہے جسے ہندوؤں نے بڑی چالاکی سے صرف اپنا ہی وطن قرار دیا تھا اور دوسری مختلف قوموں کو متحدہ وطنیت اور مشترکہ انڈین قومیت کے جال میں پھنسا کر انہیں اقلیتیں کہا اور اس طرح ان کی ثقافتی ،تمدنی اور مذہبی روایات کو ختم کر کے انہیں اپنے اندر ضم کرنے کی کوششیں کی تھیں۔انگریزوں نے بھی اپنا حکومتی نظام چلانے کے لیے اسے ایک مرکز کے تحت کر دیا اور یوں مصنوعی انڈین وحدت کو جنم دیا۔اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ یہ بدنصیب ملک بن گیا ہے۔ اب اگر یہ مظلوم اقلیتیں اپنی آزادی حاصل کرنے لیے جدوجہد کریں تو یہ غلط نہ ہوگا۔

15. The Pakistan National Movement and the British verdiction of India.

(پاکستان نیشنل موومنت اور انڈیا کے بارے میں برطانوی فیصلہ)

یہ پمفلٹ 19 مئی 1946ء کو کیمبرج سے شائع ہوا تھا۔ برطانوی حکومت نے کانگریس اور مسلم لیگ کے باہمی تنازہ کے حل کے لیے کابینہ (Cabinet) کے ارکان پر مشتمل ایک وفد انڈیا بھیجا جو 24 اپریل 1946ء کو یہاں پنچا تھا۔کیبنٹ مشن نے 16 مئی 1946ء کو اپنی تجاویز پیش کرتے ہوئے مطالبہ پاکستان کو رعد کیا اور انڈین یونین کے قیام کی حمایت کی۔

چودھری رحمت علی نے اپنے اس پمفلٹ میں کیبنٹ مشن کی تجاویز پر سکت نکتہ چینی کی اور اسے پاکستان اور انڈیا کے بقیہ علاقوں کے مسلمانوں کے مفادات کے خلاف ایک سازش قرار دیا۔

16. Pakiasia: The Historic orbit of the Pak Culture.

(پاکیشیا: پاک کلچر کا تاریخی محور)

یہ پمفلٹ 5 اگست 1946ء کو کیمبرج سے جاری کیا گیا تھا۔ اس میں چودھری رحمت علی نے پاکیشیا کے روحانی اور اخلاقی کارناموں، ذات پات کے حامل ہندوؤں کے اسلام کش مذموم عزائم سے بچاؤ کی اہمیت اور اس وسیع خطہ میں مقیم تمام انسانوں کے حق خودارادیت کے جواز کا تذکرہ کا ہے۔ پاکیشا ی سے ان کی ماد جنوبی ایشیا کا وہ وسیع اور مختلف النوع علاقہ مراد ہے جہاں گذشتہ تیرہ صدیوں میں اسلام اپنی تابانیوں کا حامل رہا ہے۔ اس پمفلٹ میں چودھری رحمت علی نے مسلمانون اور غیر مسلموں کے مجوزہ آزاد علاقوں کے نام بھی رکھے ہیں۔

17. Dinia. The Seventh Contrient of the World.

(دینیہ: دنیا کا ساتواں براعظم)

یہ پمفلٹ کیمبرج سے 5 ستمبر 1946 کو جاری کیا گیا تھا۔ چودھری رحمت علی نے انڈیا یا ہندوستان کا نام بدل کر اسے ''دینیہ'' بہت سے ادیان کے ماننے والوں کی (سرزمین) قرار دیا ہے۔ انہوں نے اسے ادنیا کا ساتواں براعظم قرار دینے کی جغرافیائی، تاریخی، ثقافتی اور مذہبی وجوہات کا تذکرہ کیا ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ روس کو نکال کر بقیہ یورپ کی طرح یہ علاقہ رقبہ کی وسعت، آبادی کی کثرت ار مختلف قوموں کے جداگانہ ثقافتی اور سیاسی تشخص کی اہمیت کا مظہر ہے۔ اس لیے یہ بھی براعظم کا درجہ رکھنے کا حقدار ہے اور اس مُں رہنے والے لوگ جداگانہ اور خودمختار نئے علاقوں کے قیام کا مطالبہ کر سکتے ہیں۔

18. Bangistan: The fatherland of the Bang Natio

(بانگستان: بانگ قوم کا آبائی وطن)

یہ پمفلٹ کیمبرج سے ستمبر 1946 میں جاری کیا گیا تھا۔ چودھری رحمت علی کی رائے میں آسام اور بنگال دونوں ''بانگ اسلام'' کا درجہ رکھتے ہیں پاکستان کی طرح یہ علاقہ بھی مسلم اکثریت پر مشتمل ہے مگر ہندوؤں اور انگریزوں نے اپنے سازش سے اس اکثریت کو سیاسی اقلیت میں تبدیل کر رکھ تھا اس لیے انہوں نے کہا کہ آسام اور بنگال کے مسلمان حق خودارادیت کا اعلان کر کے ایک خودمختار اور الگ مسلم مملکت تشکیل کر لیں۔ اس مجوزہ آزاد مسلم ملک کا نام ''بانگستان'' رکھا گیا۔

19. Osmanista: The Fatherland of the Osman Nation

(عثمانستان: عثمان قوم کا آبائی وطن)

یہ کتابچہ بھی چودھری رحمت علی نے ستمبر 1946ء کو کیمبرج سے جاری کیا تھا۔ اس میں انہوں نے حیدر آباد دکن کے مسلمانوں کی آزادی پر روشنی ڈالی اور ان کی ثقافت، تاریخی اور مذہبی روایات کی حفاظت کے لیے ان کی آزادی کو لازمی قرار دیا۔

21 Pakistan: The Fahterland of the Pak Nation.

(پاکستان۔ پاک قوم کا آبائی وطن)

چودھری رحمت علی کی یہ ضخیم کتاب تقریباً چار سو صفحات پر مشتمل ہے۔ اسے جون 1947ء میں ان کے پتے 16 مانٹیگو روڈ کیمبرج (16 Montague Road) سے شائع کیا گیا اور یہ اس کتاب کا تیسرا ترمیم شدہ ایڈیشن تھا۔ اس کتاب میں انہوں نے پاکستان کے بارے میں مختلف انوع تاریخی اور جغرافیائی، صنعتی، زراعتی، ثقافتی، تمدنی اور مذہبی معلومات جمع کر دی

ہیں۔الغرض اس میں انہوں ے اپنے گونا گوں افکارونظریات کو نچوڑ پیش کر دیا ہے۔

22. The Muslim Minority in India and the Saving Du of U.N.O

(انڈیا کی مسلم اقلیت اور یواین او کا فریضہ حفاظت)

چودھری رمت علی نے نو صفحات پر مشتمل یہ خط اقوام متحدہ کے سیکرٹری جنرل کے نام 15 اگست 1948ء کو لاہور سے لکھا تا انہوں نے سیکرٹری جنرل کو انڈیا میں مقیم بے بس اور مظلوم مسلمانوں پر ہونے والے مظالم سے آگاہ کرتے ہوئے اسے حقوق انسانی کی حفاظت کے فرض کا احساس دلایا تھا۔

23. Pakistan or Pastan? Dwstiny or Disintegration?

(پاکستان یا پاستان؟ تقدیر یا شکست وریخت؟)

یہ طویل اور مفصل پمفلٹ 28 جنوری 1950ء کو کیمبرج سے جاری کیا گیا تھا۔ چودھری رحمت علی نے اس پمفلٹ میں دیگر اہم ملیاورقومی امور کے علاوہ مسئلہ کشمیر پر بھی روشنی ڈالی ہے۔ انہوں نے لکھا تھا کہ جموں اور کشمیر کے بغیر پاکستان ''پاستان'' (داستان پارینہ) بن کر رہ جائے گا۔ اسی طرح پاکستان کے بغیر جموں وکشمیر ہندوؤں کی سرزمین ہو جائیں گے۔ ان دونوں کے اتحاد کو انہوں نے تقدیر سازی اور ان کی علیحدہ کو شکست وریخت کے مترادت قرار دیا تھا۔

چودھری رحمت علیؒ کی شخصیت

خدا تعالیٰ نے ہر انسان کو مخصوص اوصاف کئے ہیں۔ چودھری رحمت علی بھی خاص اطوار وعادات کے مالک تھے۔ ان کے کردار اور شخصیت کے نمایاں ترین پہلو درج ذیل ہیں:

صالح عادات: وہ نیک عادات اور اطوار رکھنے والے انسان تھے۔ خوش اخلاقی، وسیع النظری، خندہ پیشانی، محبت وخلوص اور نیکی سے محبت ان کی فطرت کے عناصر ترکیبی تھے۔

اسلام سے شدید محبت: ان کے والد حاجی شاہ محمد نیک اور خدا ترس انسان تھے۔ وہ صوم وصلوۃ کے پابند تھے۔ انہوں نے چودھری رحمت علی کو ان کے بچپن میں روزانہ نماز پڑھنے اور صبح سویرے اٹھنے کا عادی بنایا تھا۔ علاوہ ازیں ان کے والد کی اسلام سے شدید محبت بھی ان کی شخصیت کا طرۂ امتیاز بن گئی چنانچہ ہمیں ان کے افکار ونظریات اور ان کی تصانیف میں ان کی اسلام سے گہری وابستگی کا ثبوت ملتا ہے۔ چودھری رحمت علی کا پاکیزگی خیال اور قلبہ طہارت سے اس قدر لگاؤ تھا کہ انہوں نے اپنے سیاسی افکار کی تشریح وتوضیح میں بھی لفظ ''پاک'' کو اپنے

مخصوص کردہ الفاظ میں بھی بکثرت استعمال کیا ہے۔ مثلاً پاکستان ، پاک پلان، پاک آئیڈیالوجی، پاکیشیا، پاک نیشن، اور پاک کامن ویلتھ آف نیشنز وغیرہ۔ان کے تصور پاکستان میں سیاست اور اسلام کے باہمی ربط اور مسلم قومیت کے نظریے میں اسلامی ثقافت واقدار کا ذکر ان کی اسلام دوستی کا بین ثبوت ہے۔

ملی اور قومی درد: چودھری رحمت علی کے کردار ایک نمایاں ترین اور پرکشش پہلوان کا ملی درد اور قومی محبت کا جذبہ ہے۔ انہوں نے تمام مسلمانوں کے ساتھ بالعموم اور اسلامیان ہند سے بالخصوص اپنے ملی درد کا جابجا اپنی تمام تحریروں میں اظہار کیا ہے۔ وہ بلاشبہ ان کے مخلص اور ہمدرد راہنما تھے۔ وہ قیام پاکستان کے مقصد کے حصول اور مسلمانان عالم کے اتحاد کے زبردست علمبردار تھے۔انہوں نے مسلمانوں کے ہر مفاد کو اپنی ذات پر ترجیح دی۔انہیں تحریک پاکستان اور قیام پاکستان سے اتنی شدید محبت تھی کہ انہوں نے تمام عمر شادی بھی نہ کی۔کیا انہوں نے قوم اور ملت کی فلاح اور آزاد کے لیے اپنا تن من دھن قربان کر کے اپنے ملی درد اور قومی محبت کا ثبوت بہم نہیں پہنچایا؟

عزم راسخ: چودھری رحمت علی مضبوط قوت ارادی کے مالک تھے وہ جب کسی مفید، تعمیری اور اصلاحی کام کا پختہ ارادے کر لیتے تو پھر چٹان کی طرح اپنے موق پر ڈٹ جاتے تھے۔تذبذب بے یقینی اور بزدلی کے حامل افراد کبھی اپنی صحیح بات پر بھی ثابت قدم نہں رہتے۔انگریزی میں کہاوت ہے:

"A rolling stone gathers no moss."

انہوں نے انڈیا سے الگ اور خود مختار مملکت کی تشکیل یعنی قیام پاکستان کا جب منوبہ بنایا تو پھر وہ تمام عمر اس موقف پر ڈٹے رہے اور س کی نشر و اشاعت کو اپنا واحد نصب العین بنایا تھا۔اپنوں اور

غیروں کی مخالفت کے باوجود بھی وہ اپنے مقصد کے حصول کے لیے بڑی جرات و بہادری سے کام کرتیر ہے۔ ان کی جدو جہد، م محنت شاقہ اور جفا طلبی آخر کار نتیجہ خیز ثابت ہوئی اور تحریک پاکستان روز بروز زیادہ مضبوط بنتی گئی اور ملت کے حساس دلوں کی آواز بن کر رہی۔

حق گوئی و بیبا کی: وہ جس بات کو درست اور معقول خیال کرتے وہ اسے بڑی بے باکی سے بیان کر دیا کرتے تھے۔ وہ حق گوئی کے اس قدر عادی تھے بعض اوقات ان کے قریبی احباب بھی اس کی تاب نہ لاسکتے تھے۔ منافقت اور ریا کاری سے انہیں شیدی نفرت تھی۔ عربی میں ضرب المثل ہے۔ الحق مر (سچی بات کڑوی ہوتی ہے) حق گوئی اور بے باکی کو ایمان کی نشانی بتایا گیا ہے۔ علامہ اقبالؒ نے بھی درست کہا تھا:

آئین جوان مردای حق گوئی و بے باکی
اللہ کے شیروں کو آتی نہیں روباہی

ان کی حق گوئی اور بے باکی سے ہندو سیاستدان اور انگریز پالیسی ساز بھی بدکتے تھے۔ یہ دونوں گروہ چودھری رحمت علی کے عظمی تر پاکستان کے قیام (بانگستان، عثمانستان، خدرستان، ناصرستان، معینستان، ماپلستان، صدیق ستان اور فاروقستان وغیرہ) کو اپنے مفادات کے لیے سخت نقصان دہ خیال کرتے تھے اس لیے وہ اسے قبول کرنے کے خواہاں نہیں تھے۔ اسی لیے چودھری رحمت علی نے ان کے باہمی گٹھ جوڑ کو مسلم کش خیال کرتے ہوئے برٹش بنیا الائنس (British Banania Alliance) کا نام دیا تھا۔

ٹھوس دلائل کا اصول: چودھری رحمت علی ٹھوس دلائل دینے اور دوسروں کے معقول دلائل سننے کے عادی تھے۔ ان کی تصانیف کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ انہوں نے اپنے ہر ایک نظریے کی حمایت اور دوسروں کے غلط تصر کے مخالفت میں ٹھوس دلائل سے کام لیا ہے۔ وہ آنکھیں بند کر

کے کسی کے پیچھے چلنے کے حق میں نہیں تھے۔ انہوں نے مسلم قومیت، انڈیا کی فطری تقسیم اور مسلمان ہند کے جداگانہ تشخص کی حمایت میں جو ٹھوس تاریخی، ثقافتی اور مذہبی اختلافات بیان کئے ہیں وہ ان کی دلیل پسندی کے علاوہ ان کے وسیع مطالعہ تاریخ پر دلالت کرتے ہیں۔

ذہانت وفطانت: وہ بلا کی ذہانت وفطانت کا ملکہ رکھتے تھے۔ انڈیا کے سیاسی حالت سے متعلق انہوں نے جو حقائق اور امور بیان کئے ہی وہ صحیح ثابت ہو رہے ہیں۔ پاکستان اور جموں وکشمیر کی علیحدگی کے آئندہ خطرات کو پیش نظر رکھتے ہوئے انہوں نے جن باتوں کو بیان کیا ہے وہ درست ثابت ہوتی جا رہی ہیں۔ اس طرح دیگر اہم مسائل کے بارے میں بھی ان کی پیش گوئیاں ہماری توجہ کے لائق ہیں۔

الغرض وہ ایک اچھے مسلمان، دور اندیش سیاسی مفکر، سیاسی ریفارمر، انقلاب آفرین لیڈر، بے باک اور حق گو راہنما، آتش بیان مقرر، اعلیٰ درجہ کے مصنف، انتھک ورکرم، مخلص اور ایثار پسند دوست، روشن ضمیر مجاہد، اولین پاکستانی، برطانیہ میں تحریک پاکستان کے بانی، لفظ پاکستان کے خالق، آزادی کے علمبردار، اسلامی اقدار حیات کے نقیب اور محسن ملت تھے۔